شائق و عثمان و راغب

روحِ رواں آل انڈیا مسلم لیگ

سنہ ۱۹۳۵ء تا سنہ ۱۹۴۷ء

از

محمد انیس الرحمٰن بی اے۔ بی ایل (پٹنہ)

(ایڈوکیٹ سندھ ہائی کورٹ)

شایق و عثمان و راغب

روح روان آل انڈیا مسلم لیگ

سنہ ۱۹۳۵ تا سنہ ۱۹۴۷

از

محمد انیس الرحمن بی اے۔ بی۔ ایل (پٹنہ)

ایڈوکیٹ سندھ ہائی کورٹ

تعداد ——— ۱۰۰۰

ھدیہ ——— دس روپے

تاریخ طباعت ——— مئی ۱۹۸۵ء

کتابت ——— مظفر حمید

ناشر

علامہ سید سلیمان ندوی اکیڈمی رجسٹرڈ پبلیکیشنز کراچی

فہرست مضامین

مولانا شائق احمد عثمانی

ایڈیٹر روزنامہ "عصر جدید" کلکتہ

مولانا شائق احمد عثمانی بہار کی وہ تابندہ شخصیت ہیں جن کے عزم و ارادہ جرأت و ہمت، ایمان و یقین، جوش اور ولولوں کو ہندوستان کی سیاسی تاریخ فراموش نہیں کر سکتی۔ ملک کے ایک ممتاز عالم، تحریک خلافت کے ایک جانباز سپاہی اور تنظیم مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کے ایک مقتدر رہنما ہے۔ خلافت ترکیہ کی بقا کیلئے جب برعظیم کے مسلمان برطانوی شہنشاہی اور یورپ کی اسلام دشمن طاقتوں کے خلاف میدان عمل میں اترے تو اس وقت بھی مولانا شائق کا سرمایۂ زبان و قلم ملت کی ترجمانی کے لئے وقف تھا۔ اور جب خود برعظیم میں مسلمانوں کی قومی اور ملی زندگی کو خطرہ در پیش ہوا تو اس وقت بھی مولانا شائق اسلامیانِ ہند کے تحفظ کی تحریک میں پیش پیش تھے۔

مولانا شائق صوبۂ بہار کے مشہور شہر بھاگلپور میں ۱۸۹۴ء میں پیدا ہوئے۔ ابھی دو ہی سال کی عمر تھی کہ شفقتِ پدری سے محروم ہو گئے۔ ماں کی آغوش تربیت میں نشو و نما پائی۔ اردو، فارسی اور عربی کی تعلیم گھر پر اور پھر اپنے شہر میں حاصل کی ۱۹۰۹ء میں علم کی تشنگی انہیں دار العلوم دیوبند لے گئی۔ ۱۹۱۱ء میں عربی کی نصابی تعلیم مکمل کی۔ قدرت نے ذہانت و فطانت سے نوازا تھا۔ وہ ہمیشہ اپنے درجہ میں اول آتے تھے۔ اس لئے اپنے اساتذہ کی نظر میں محبوب اور اپنے ساتھیوں میں ممتاز

رہے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد کچھ دن ریاست بہاولپور میں قیام کیا۔ اس سرزمین سے ان کا ربط قدیم ہے۔ بہاولپور سے دلی تشریف لے گئے۔ جہاں ادارہ نظارۃ المعارف القرآنیہ سے وابستہ ہوئے جس کی داغ بیل مولانا عبیداللہ سندھی نے ڈالی تھی۔

اس زمانے میں مولانا عبیداللہ سندھی کی انقلابی شخصیت ہندوستان کی سیاسیات میں نمایاں تھی۔ شائق نے ان سے بڑی گونہ قربت حاصل کی۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن اسیر مالٹا کی معیت میں بھی کچھ دن بسر کئے۔ ان بزرگوں کی صحبت اور نگاہ التفات نے مولانا شائق کی شخصیت کو جلا اور صفا کیا اور ان میں انقلابی احساسات پیدا کئے ان کے دل میں ملت اسلامیہ کی خدمت کا جذبہ شدت سے ابھرا اور ان کی اسپرٹ و کردار کا رخ بدل گیا۔ انہوں نے اپنی تمام صلاحیت اور ساری توانائی ملک و ملت کی سربلندی کے لئے وقف کردی۔

وہی دور تھا جب مولانا محمد علی جوہر کا اخبار کامریڈ کلکتہ سے دلی آگیا اور ان کا اردو اخبار ہمدرد بھی دلی سے نکلنے لگا۔ اسی زمانہ میں طرابلس کی جنگ چھڑی۔ اس کے بعد بلقانی ریاستوں میں ترکوں کے خلاف بغاوت کی آگ بھڑکائی گئی اور جنگ بلقان کا آغاز ہوا۔ ترکوں کو جنگ بلقان سے ابھی نجات ملی بھی نہ تھی کہ پہلی جنگ عظیم چھڑ گئی۔

یورپ کے صنعتی انقلاب نے ایشیا اور افریقہ کی مستقل غلامی کا نقشہ بنایا۔ منڈیوں کی فکر دامنگیر تھی۔ منڈیوں پر تسلط بحیرہ روم پر قبضے کے بغیر ممکن نہیں تھا اور بحیرۂ روم پر صدیوں سے ترکوں کا اقتدار قائم تھا۔ جب تک ان کا اقتدار ختم نہ ہوجاتا اس وقت تک یورپ کا اقتدار قائم نہیں ہوسکتا تھا۔

ترکوں کی خلافت کے اقتدار کو مسلسل جنگوں میں الجھا کر ہی کمزور کیا جا سکتا
تھا۔ دانشورانِ یورپ نے سازشیں کیں اور جنگ کے شعلے بھڑکائے۔ ۱۹۱۱ء میں
پہلے پہل اٹلی کو آگے بڑھایا گیا۔ اس وقت مصر اگرچہ ترکی کا ایک حصہ تھا۔ لیکن
انگریزوں کی تولیت میں تھا۔ مصر کی سرزمین سے ترک اپنی فوج طرابلس نہیں
بھیج سکتے تھے۔ ان دشواریوں کے باوجود انور پاشا اور ان کے ساتھی بھیس بدل کر
طرابلس پہنچے اور مقامی عربوں کی تنظیم کی۔

یورپ نے جنگ طرابلس کے نقشے کے ساتھ ہی بلقانی ریاستوں کو ترکوں
کے خلاف ابھارا اور پھر کچھ عرصہ بعد پہلی جنگ عظیم چھڑی جس میں ترکی اور جرمنی متحد
ہوگئے۔ برطانیہ اور اس کے اتحادیوں نے بہادر ترکوں کے خلاف سازش کا جال پھیلایا!
لارنس کے ذریعہ عربوں اور ترکوں کے درمیان دشمنی کا بیج بو دیا۔ اور عربوں کو اس فریب
میں مبتلا کیا کہ جنگ کے بعد عربوں کی آزاد مملکت قائم ہو جائیگی۔ یورپ خوب سمجھتا
تھا کہ مسلمان متحد ہو کر میدانِ جنگ میں اترے تو آسانی سے ان کو شکست نہیں دی
جا سکتی۔ اس لئے اس نے درونِ خانہ دشمنی کی آگ بھڑکائی۔ بغاوت کروائی۔
مسلمانوں کی اجتماعی قوت پراگندہ ہوئی اور برطانیہ اور اس کے ساتھی اپنے مقصد
میں کامیاب ہوگئے۔

برعظیم میں مذہبی آزادی کا اعلان ملکہ وکٹوریہ نے ۱۸۵۸ء میں کیا تھا لیکن
اس کے باوجود مذہبی امور میں برطانوی حکومت کی دخل اندازی برابر جاری تھی
۱۹۱۲ء میں مسجد کانپور مچھلی بازار کی دیوار کا منہدم کرنا اسی سلسلے کی کڑی ہے
حکومت ہند کے اس اقدام سے مسلمانانِ ہند کے جذبات اور زیادہ مجروح
ہوئے اور سخت اشتعال پیدا ہوا۔ مسلمانانِ کانپور مولانا آزاد سبحانی کی

سرکردگی میں انہدام دیوار کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے تو انگریزی فوج نے ان پر گولی برسائی۔ بہت سے مسلمان شہید ہوئے اور بہتوں کی گرفتاریاں عمل میں آئیں۔ ان پر مقدمہ چلایا گیا۔ اس واقعہ پر سارے ہندوستان میں زبردست ہیجان برپا ہوا۔ اس مقدمہ کی شاندار پیروی مسٹر مظہر الحق بیرسٹر ایٹ لا پٹنہ نے کی۔ حکومت ہند کو اپنے رویہ میں تبدیلی کرنی پڑی مسجد کی ٹوٹی ہوئی دیوار پھر سے بنائی گئی۔

مولانا شائق احمد عثمانی کو ان تمام واقعات و حوادث نے متاثر کیا۔ طبیعت میں جوش تھا۔ اور دل میں قومی و ملی جذبہ۔ بیتابانہ میدان سیاست میں نکل آئے۔ مونگیر سے ایک ہفتہ وار اخبار "سبیل الرشاد" بھی نکالا۔ اس اخبار نے، اس کی زبان نے، اور اسکی للکار نے مقامی سیاست میں ایک ہلچل پیدا کر دی۔ یہاں سے مولانا شائق کی صحافتی زندگی کا آغاز ہوا۔ ان کی تحریر و تقریر سے ہندو اور مسلمان دونوں یکساں متاثر ہوئے۔ انکی بیباکی و حق گوئی، ان کی جرات و ہمت اور ان کی فکر و نظر ان کی مقبولیت کا وسیلہ بنی۔ دور دور ان کا شہرہ ہوا۔ ان کی سیاسی سوجھ بوجھ کے ساتھ ان کی زباندانی کے بھی جوہر کھلے اور ان کے انداز بیان نے امتیاز پایا۔ اس کے ایک سال بعد مولانا مونگیر سے کلکتہ چلے گئے۔ جنگ عظیم ختم ہوئی تو برطانیہ اور اسکے ساتھیوں نے عہد شکنی کی اور خلافت ترکیہ کے حصے بخرے کی ٹھانی۔ حکومت ترکیہ کی تقسیم کی سازش اور اس کے انکشاف نے مسلمانوں میں زبردست ہیجان پیدا کر دیا۔ اور اس ہیجان نے تحریک خلافت کی صورت اختیار کی۔ وہ تحریک جس نے صرف مسلمانوں ہی کو نہیں سارے برعظیم کو ایک

نیا جوش اور نیا ولولہ بخشا۔ مولانا شائق اس تحریک کے ممتاز سپاہیوں اور مجاہدوں میں ہیں۔

گاندھی جی نے اسی زمانے میں مسلمانوں کے جذبہ و جوش سے فائدہ اٹھایا ۱۹۱۶ء میں لکھنؤ پیکٹ کے ذریعہ کانگریس اور مسلم لیگ یعنی ہندوں اور مسلمانوں کو انگریزوں کے خلاف متحد کیا گیا تھا۔ مسٹر مظہر الحق اور مسٹر محمد علی جناح کی کوششوں سے یہ پیکٹ وجود میں آیا تھا۔ اس پیکٹ سے ہندو اور مسلمان دو مستقل قومیں ثابت ہوئی تھیں۔ تحریک خلافت کے وقت مسلمانوں نے ہندوؤں کو ساتھ لیکر آگے بڑھنے اور انقلاب برپا کرنے کی کوشش کی۔ مسٹر گاندھی نے اس نقشے کو اپنے مقاصد کے سانچے میں ڈھالنے کی بڑی خفیہ کارروائیاں کیں گاندھی بڑے چالاک اور موقع شناس سیاستداں تھے۔ انہوں نے اپنی ہندو قوم کے اقتدار و اختیار کی راہیں ہموار کیں۔ ہندوں کے لئے خلافت اسلامیہ کا مسئلہ کوئی اہم مسئلہ نہیں تھا۔ اس کا تعلق عالم اسلام سے تھا۔ اور اس کی تقویت سے خود برعظیم میں مسلمانوں کو زبردست قوت پہنچ سکتی تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ انگریزوں کی شکست مسلمانوں کی کامیابی ہوگی۔ وہ انگریزی نقشے کے مطابق ہندو اکثریت کی برتری اور اقتدار کے خواہاں تھے۔ وہ دوست کی طرح اس تحریک میں شریک ہوئے۔ مسلمانوں نے ہندوں اور مسلمانوں کو لکھنؤ پیکٹ کے ذریعے ایک دوسرے کا حلیف بنایا تھا۔ گاندھی جی کی سیاست نے رفتہ رفتہ ایک کو دوسرے کا حریف بنا دیا۔ انگریز بھی ہندوں اور مسلمانوں کو ایک دوسرے کا حریف بنا کر رکھنا چاہتے تھے۔ مسٹر گاندھی کی یہ سیاست براہ راست تو گاندھی ازم کی بڑی کامیابی تھی۔ مگر بالواسطہ برطانوی سیاست کی فتح ثابت ہوئی۔

کانگریس کی پوری تاریخ میں کلکتہ کا اجلاس خصوصی جو ستمبر ۱۹۲۰ء میں منعقد ہوا تھا۔ اہم ترین اجلاس تھا۔ وہ زمانہ تھا کہ مسلم لیگ اور کانگریس کے نمائندے سب ایک دوسرے کے اجلاس میں شریک ہوئے تھے۔ کانگریس کے اس اجلاس میں سرگرمی دینے والے حریت پسند مسلمانوں کی اکثریت تھی اسی اجلاس میں حکومت برطانیہ کے خلاف ترک موالات کی تحریک پیش ہوئی اور منظور ہوئی۔ نہ صرف برطانوی مال کا بائیکاٹ کیا گیا بلکہ انگریزی تعلیم گاہوں اور عدالتوں تک کا بائیکاٹ کیا گیا۔ اہل ہند نے اپنی فلاح و بہبود کی خاطر قومی ادارے کھولے۔ قومی اور ملی جذبات کا ایسا بول بالا ہوا کہ اس نے حکومت برطانیہ کی مضبوط بنیادیں متزلزل کردیں۔ مولانا شائق بھی کانگریس کے اس اجلاس خصوصی میں شاہ زبیر منعمی کے ساتھ بحیثیت نمائندہ شریک ہوئے۔ وہ تحریک ترک موالات کے علمبرداروں میں تھے۔

ان دنوں بنگال کے مشہور لیڈر مولانا اکرم خان کا اخبار زمانہ کلکتہ سے نکلتا تھا۔ مولانا شائق اس کے ادارہ میں شریک ہوگئے۔ مولانا صاحب علم تھے۔ صاحب دل تھے، صاحب زبان تھے، صاحب قلم تھے۔ اور قومی و ملی جذبے سے سرشار۔ ایک طرف اخبار میں ان کے مضامین نکلنے لگے اور دوسری طرف کلکتہ اور اس کے مضافات میں ان کی پرجوش تقریریں شروع ہوگئیں۔ دل سے جو بات نکلتی ہے براہ راست دلوں میں اترتی ہے۔ مولانا کی شہرت اور مقبولیت بڑھتی رہی اور تحریک بھی۔ کلکتہ اس زمانے میں بڑے بڑے علماء اور زعماء، بڑے بڑے شعلہ بیان مقررین اور سحر نگار اہل قلم کا مرکز تھا۔ اس ماحول میں مولانا کی مقبولیت و محبوبیت ان کی عظمت کی دلیل بن گئی۔

مولانا شائق عین جوانی میں خدمت ملی کیلئے میدان میں اترے تھے اور ہر مصیبت جھیلی، ہر آفت کا مقابلہ کیا۔ قید و بند کا سامنا کیا۔ مولانا ان بزرگوں اور حوصلہ مند رہنماؤں میں ہیں جنہوں نے زندگی کی سنگلاخ زمین کو ہموار کیا اور قربانی کا جذبہ دلوں میں عام کیا۔ کلکتہ مسلم لیگ کے سرگرم رہنماؤں اور کارکنوں میں یہ چند نام خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ مولانا محمد عثمان سکریٹری کلکتہ مسلم لیگ، مولانا عبدالرؤف دانا پوری (مصنف اصح السیر) مولانا راغب احسن اور مولانا شائق احمد عثمانی، عبدالجبار وحیدی (مسلم لیگ تحریک کے اولین شہید ہیں وہ ۱۹۴۲ء کے ہنگامہ خیز دور میں گولی کا نشانہ بنے اور شہادت پائی۔ یوم نجات (Deliverance Day) اور یوم راست اقدام (Direct Action Day) اسی کلکتہ مسلم لیگ کی تجویز پر منائے گئے۔

قیام پاکستان کے بعد مولانا شائق احمد عثمانی کراچی آ گئے۔ وہ یہاں اس لیے نہیں آئے تھے کہ انہیں اپنی خدمت مقصود تھی۔ ان کی اپنی خدمت کیلئے کلکتہ کافی تھا جس شخص نے ساری زندگی بے لوثی کے ساتھ خدمت ملک و ملت کیلئے وقف کر رکھی ہو اس کو اپنی خدمت کی کوئی فکر نہیں ہوتی۔ یہ فرض حکومت پاکستان کا تھا کہ ایسے آزمودہ کار سپاہیوں، مجاہدوں، عالموں، ادیبوں اور فکری رہنماؤں سے کام لیتی مگر اسے اتنی فرصت نہ ملی۔

مولانا شائق احمد عثمانی نے بھی پاکستان میں بیس سال کا عرصہ خاموشی سے گزار دیا۔ [illegible]ء میں بینائی نے بھی جواب دیدیا اور لکھنا پڑھنا تک چھوٹ گیا۔
مولانا شائق ۱۹۱۱ء کی جنگ طرابلس ۱۹۱۲ء کی جنگ بلقان سے لیکر قیام

پاکستان تک کی ایک زندہ تاریخ ہیں۔

بحیثیت مفسر:۔ مولانا شائق احمد عثمانی کا اصل علمی موضوع قرآن مجید اور حدیث رسول ہے۔ انہوں نے آسان اردو میں تفسیر قرآنی کے چند اہم حصے بھی لکھے ہیں۔ اور نئی نسل کے نئے ذہن و دماغ کو پیش نظر رکھ کر لکھے ہیں جو شروع میں درس قرآن کے عنوان سے ہر جمعہ کو روزنامہ انجام میں قرآنی سیاست پر ان کے مضامین بھی شائع ہوتے رہے ہیں۔ ادھان کی قومی نظمیں بھی انجام میں نکلتی رہی ہیں مولانا عالم بھی ہیں ادیب بھی ہیں اور شاعر بھی۔

بحیثیت ناول نگار:۔ مولانا شائق ناول نگار بھی ہیں۔ اس بڑھاپے اور معذوری کے زمانے میں بھی ان کا دل معاشرے کی اصلاح کیلئے بےچین رہا۔ انہوں نے ملت کے نوجوانوں میں اسلام، انسانیت اور خدمت خلق کا جذبہ و جوش پیدا کرنے کیلئے ناول کی صورت میں ایک کتاب "لیلیٰ" لکھوائی۔ وہ خود لکھ نہ سکتے تھے لیکن لکھوا سکتے تھے۔ یہ پوری کتاب انہوں نے املا کروائی ہے۔ یہ کتاب "لیلیٰ" بظاہر تو ناول ہے مگر اس میں بتایا ہے کہ زندگی کیلئے آدمی کی فکر و نظر کیسی ہونی چاہیئے۔ معاشرہ کیا ہے کس طرح مرتب ہوتا ہے اور وہ کون سے اصول ہیں جن کو روبہ عمل لانا ضروری ہے آدمی معاشرے کی خدمت کس طرح کر سکتا ہے اور ملک و ملت کی خدمت کس طرح کر سکتا ہے

زندگی کا مقصد نظروں کے سامنے ہو تو آدمی کے جذبات و احساسات بالکل بدل جاتے ہیں شروع سے آخر تک بے حد دلچسپ ہے اور پڑھنے والے کو سچے اسلامی اقدار اور سچی انسانی زندگی سے آشنا کرتا ہے۔

مولانا نے ایک دوسرا ناول بھی اسی طرح املا کروایا ہے جو ابھی تک شائع

نہیں ہوا۔ اس ناول کا نام "نسیم السحر" ہے یہ ناول ان کے ایک دلی دوست کی زندگی کا سچا واقعہ ہے۔ یہ ناول بھی علم وادب اور فکر و نظر کا ترجمان ہے اردو زبان میں بہت سے ناول نگار پیدا ہوئے۔ ہم مولانا عبدالحلیم شرر سے بھی واقف ہیں محمد علی طبیب ہردوئی سے بھی آگاہ ہیں اور اب اس عہد میں مولانا شائق کو بھی دیکھا ان کے ناول بھی پڑھے۔ مولانا کے ناول کی روح فکری ہے اور اس میں بڑی تازگی ہے۔ انہوں نے آدمی کو آدمی بنانے کے لئے ناول لکھے ہیں۔ مولانا کے یہ ناول اردو ادب میں ایک مفید اضافہ قرار دیئے جائیں گے۔

مولانا کی زبان سادہ ہے جس میں ہماری ریختہ کے اثرات بھی نمایاں ہیں زبان و بیان میں بے ساختگی ہے بانکپن ہے۔ باتیں جچی تلی ہیں۔ مکالمے برجستہ اور فطری ہیں۔ ناول کے کردار متین اور سنجیدہ مگر شگفتہ ہیں۔ جو انسانی لغزشوں سے بھی آگاہ ہیں برائی سے بچنے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔ اور دوسروں کی امداد و اعانت کو بھی اپنا فرض تسلیم کرتے ہیں۔

بحیثیت صحافی:۔ مولانا شائق بلند پایہ صحافی بھی ہیں۔ معیاری تنقیدیں اور فکر انگیز اداریئے ان کی یادگار ہیں۔ ان کی اخبار نویسی سنجیدہ اور صحافت متین رہی انہوں نے ہمیشہ بامقصد زندگی گزاری۔ ان کی زندگی میں حمایت کا بھی زور رہا۔ اور مخالفت کا بھی۔ مگر کسی موقع پر بھی انہوں نے خلاف متانت کوئی بات اپنے قلم سے نکلنے نہیں دی نہ اپنے اخبار میں کوئی بات ایسی کبھی درج کرنے کی اجازت دی جو تہذیب کے خلاف ہو مولانا کا روزنامہ تیس سال تک نکلتا رہا۔ اس کا پورا فائل انہوں نے پاکستان ہسٹریکل سوسائٹی کراچی کو عطا کر دیا ہے۔ جو کم و بیش سو جلدوں پر مشتمل ہے اور جن کے اوراق میں اسلامیان ہند میں تیس برسوں کی جدوجہد اور اس کے نشیب و فراز کی داستان اور واقعات

وحوادث کی تاریخ محفوظ ہے۔

بحیثیت شاعر۔ مولانا شائق ادیب ہیں اور فطری شاعر ہیں۔ ان کا مزاج شاعرانہ ہے۔ وہ جہاں نثر میں موتی بکھیرتے رہے ہیں وہیں نظموں کی صورت میں بھی ان کے جواہر پارے منتشر ہیں وہ فطرتاً موزوں طبع ہیں فن شعر گوئی میں انہوں نے کسی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ نہیں کیا۔ ان کی موزونیٔ طبع ان کی راہ نما رہی ہے ان کی غزلیں بھی معیاری ہیں اور نظمیں بھی دل میں درد اور طبیعت میں سوز ہو تو آہ میں بھی کیف پیدا ہو جاتا ہے اور واہ میں بھی اور یہ نعمت خدا نے ان کو عطا کی ہے ان کے کلام میں تاثیر ہے۔ اشعار میں جذبات امنڈے پڑتے ہیں۔ ترنم اور غنائی کیفیت بھی ہے۔ اور حسن تغزل چھایا ہوا ہے درد وغم کی تصویر کشی بھی خوب ہے اور صوفیانہ رنگ بھی نمایاں ہے۔

کبھی کبھی مولانا نے اکبر الہ آبادی کے رنگ میں بھی کچھ چٹکیاں لی ہیں لیکن متانت کا دامن کسی جگہ ہاتھ سے نہیں چھوٹا۔ مختصر یہ کہ کلام میں رنگینی، زبان میں سادگی بیان میں سلاست وصفائی فکر میں رفعت اور سوز وگداز بدرجہ اتم ہے۔

شائقؔ کے تیر ونشتر

دل کی کشتی چھوڑ دے منجدار میں
زندگی طوفان ہے ساحل نہیں

وہی شوخی وہی رعنائی وہی معصومی
ہائے کس ناز سے یہ ماہ تمام آتا ہے

جھکا جاتا ہے سر اس رہ گذر کی یاد میں اب بھی
رہے ہیں ہم جہاں آوارۂ دیبے آبرو برسوں

ذرا پھر مسکرا کر سر جھکا لو — میں پھر جنت میں آنا چاہتا ہوں

کھو گئے ہیں یوں تمہاری یاد میں
اب تمہیں بھی بھولتے جاتے ہیں ہم

تجلیٔ رخ تاباں سے دل منور ہے
اک آفتاب نے بخشا ہے ماہتاب مجھے

پہلی نظر کے بخشے ہوئے درد کو سلام
جب تک ہے یہ متاعِ گراں مایہ غم نہیں

شائقؔ کو غم یہ تھا کہ اسے غم نہیں ملا
اب غم ملے تو غم ہے کہ احساس غم نہیں

میری آنکھوں میں جھانک کر پڑھ لو
یہ کہانی کہی نہیں جاتی۔

غزل

رہی ہے اک دفا نا آشنا کی جستجو برسوں
پھرے ہیں ہم ذلیل وخوار ورسوا کو بکو برسوں

یہی داغ جگر کے پھول کچھ وقعت نہ تھی جنکی
سجے ہیں طاقِ مزارِ آرزو برسوں

نگاہِ ساقی بھول کر بھی ہم نہ بھولیں گے
رہا ہے دور میں یہ ساغر و جام و سبو برسوں

تعجب کیا جو زندہ ہیں ابھی تک کچھ تمنائیں
پلایا ہے انہیں ہم نے رگِ جاں کا لہو برسوں

ہم اپنی جنت گم گشتہ کیوں کر بھول سکتے ہیں
رہے ہیں مستِ صہبائے فنونِ رنگ و بو برسوں

ضیغم ہندوستان

مردم شناسی :- سید محمد عثمان صاحب مرحوم و مغفور سابق میئر
کلکتہ کارپوریشن میں مردم شناسی کے تقاضے بدرجہ اتم پائے جاتے تھے قیافہ
سے لوگوں کو پہچان لینا انکی ایک غیر معمولی صفت تھی۔ گفتگو شروع ہوئی
اور انہوں نے تاڑ لیا کہ مخاطب کے دل میں کیا ہے؟ کسی کے معیار کو اس کے لب
لہجہ سے پرکھنے میں انہیں ید طولی حاصل تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ان کی شمع حیات
ممتاز اور ہمہ گیر شخصیتوں کے جلو میں فروزاں رہی۔ کلکتہ مسلم لیگ کا سکریٹری
جنرل منتخب ہونا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ کلکتہ مسلم لیگ نہ صرف صوبۂ
بنگال کی شہ رگ تھی بلکہ سارے ہندوستان کی مسلم لیگ کی فکر و نظر
کا سر چشمہ بھی تسلیم کی جاتی تھی۔ آل انڈیا مسلم لیگ کی بیشتر انقلابی تجاویز
اور تحریکیں کلکتہ مسلم لیگ کے ارباب حل و عقد کی فکر و نظر کی مرہون منت
تھیں۔ کلکتہ شہر کو برصغیر کا دل و دماغ سمجھا جاتا تھا۔ اس شہر میں
ہندوستان کی عظیم الشان ہستیاں قیام پذیر تھیں۔ درحقیقت بنگال
کی سیاست ہی ہندوستان پر غالب رہتی تھی اور بنگال پر کلکتہ کی حکمرانی
مسلم تھی۔

عثمان صاحب مرحوم سے راقم الحروف کی ملاقات جون ۱۹۵۷ء میں ہوئی۔ میں ان کے فلیٹ واقع کھارادر کراچی میں برائے ملاقات حاضر ہوا۔ یہ میری ان کی پہلی ملاقات تھی، علیک سلیک کے بعد جب میں نے گفتگو کا آغاز کیا تو چند لمحے کیلئے عثمان صاحب میری آواز کی طرف ہمہ تن گوش ہو گئے پھر مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ "آپ کی آواز ایک مقرر کی آواز معلوم ہوتی ہے،، عثمان صاحب خود ایک بلند پایہ مقرر تھے۔ آواز کی زیر و بم سے کسی مقرر کو پہچان لینا ان ہی کا کام تھا۔ ان کے اس انداز تکلم نے مجھے ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ میں نے کہا "۱۹۴۳ء میں پٹنہ سائنس کالج کی بزم مباحثہ کی ٹرافی حاصل کرنے کی سعادت مجھے نصیب ہوئی ہے"

مایۂ ناز مقرر:- عثمان صاحب مرحوم ایک متین، بلند پایہ اور دلگداز مقرر تھے۔ تقریر کے دوران ان کی گرفت دلائل و براہیم پر رہتی تھی وہ واقعات کے تسلسل کو پیش نظر رکھتے۔ درایت کا دامن تھامے رہوارِ فکر کو جنبش دیتے ہوئے رواں دواں رہتے۔ اسی لئے ان کی تقریر نہ صرف موثر ہوتی بلکہ دل پذیر بھی ہوتی تھی۔ ۱۹۴۶ء میں جب آل انڈیا مسلم لیگ الیکشن کی گہما گہمی میں مشغول تھی، اس وقت مقامی مسلم لیگ پٹنہ میں گروہ بندیاں وجود میں آگئی تھیں۔ مختلف جماعتوں میں اقتدار کی رسہ کشی شروع ہو گئی لہٰذا عثمان صاحب کو دعوت دی گئی۔ وہ کلکتہ سے تشریف لائے۔ اسلامیہ ہال شاہ پور، پٹنہ میں ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا۔ عثمان صاحب کی تقریر سننے کیلئے ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ تل رکھنے کی جگہ نہ تھی۔ آپ کی تقریر بڑی پر مغز اور معنی خیز ہوتی۔ آپس کی کشمکش پر تازیانے لگنے لگے۔ اندرونی تقسیم کے نتیجے پر روشنی

ڈالی گئی۔ عثمان صاحب کی تقریر نے کایا پلٹ دیا۔ مقامی سیاست کی چپقلش معدوم ہو گئی۔ اخبار صدائے عام نے معرکۃ الآرا اداریہ سپرد قلم کیا۔ عنوان تھا "ماسٹر کی بیت"

سید عثمان صاحب مرحوم اردو اور انگریزی زبانوں میں فی البدیہہ تقریر کرنے میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ ہر زبان پر قدرت حاصل تھی اس لئے جس زبان میں چاہتے فصاحت اور بلاغت کا دریا بہا دیا کرتے تھے۔ بنگال مسلم لیگ کے حلقہ اثر نے اس حقیقت کو تسلیم کر لیا ہے کہ بنگال، آسام، بہار اور اڑیسہ میں مسلم لیگ تحریک کو جو تقویت اور ہمہ گیری حاصل ہوئی اس کی بنیاد سید عثمان صاحب مرحوم کی تقریروں اور مولانا راغب احسن ممبر آئین ساز اسمبلی کی تحریروں پر رکھی گئی تھی۔ دونوں کی تقریروں اور تحریروں نے آل انڈیا مسلم لیگ کی سیاسیات میں روح پھونک دی اور اس جماعت کو ایک فعال جماعت بنا دینے میں عظیم الشان حصہ لیا۔ عثمان صاحب نے بنگال، آسام، بہار اور اڑیسہ کے دیار و امصار کے چپہ چپہ پر پہنچ کر اپنی تقریروں سے مسلمانوں کے سیاسی شعور کو بیدار کرنے کی سعی بلیغ کی۔

پیدائش اور تعلیم:۔ مرحوم اگست ۱۹۰۵ء میں موضع اوگانواں ضلع پٹنہ صوبہ بہار میں پیدا ہوئے۔ آپ کا خاندان انتہائی معزز تھا اور سوری بادشاہوں کے زمانے میں قاضی القضات کے عہدے پر مامور تھا۔ اسی لئے سید محمد عثمان مرحوم قاضی کہلاتے تھے۔

ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں حاصل کی لیکن ۱۹۱۲ء میں کلکتہ

کا رخ کیا۔ وہاں انگریزی تعلیم سے فراغت حاصل کی۔ معاشیات اور سیاسیات میں ایم اے کیا۔ قانون کی ڈگری بھی لی۔

ایک انجمن :- عثمان صاحب کی ذات گرامی نہ صرف خود ایک انجمن تھی بلکہ ان کی شخصیت سے بہت سی دوسری انجمنیں بھی وابستہ تھیں۔ مسلمانوں کو سیاسی اور ثقافتی انداز سے بیدار کرنے کے لئے مسلم یوتھ لیگ کی انجمن نے کارہائے نمایاں انجام دیا۔ اس انجمن نے نوجوانوں میں سیاسی اور معاشی بیداری پیدا کرنے کی جو جدوجہد کی تھی وہ قابل ستائش ہے لیکن عثمان صاحب مرحوم کے پیش نظر یہ حقیقت مہر درخشاں کی طرح نمایاں تھی کہ جب تک قوم علم سے فیضیاب نہ ہوگی اس وقت تک اسمیں خودشناسی کا شعور پیدا ہی نہیں ہوسکتا

نظامتِ بنگالہ وہ صوبہ تھا جس کے حلقہ بگوش بہار، بنگال اڑیسہ اور آسام بھی تھے۔ یہ صوبہ پٹھانوں اور مغلوں کے دور میں نہ صرف برصغیر کا عظیم صوبہ تسلیم کیا جاتا تھا بلکہ ہر اعتبار سے اہم اور ممتاز تھا اور مسلمانوں سے قبل ہندوؤں کے تین ہزار سالہ دور میں صوبہ بہار تو برصغیر کا گہوارۂ تہذیب و تمدن رہ چکا تھا۔ اسی لئے انگریزوں نے سب سے پہلے ہندوستان کے اسی صوبہ کو اپنی ہوس سلطنت کا نخچیر بنایا۔ اور مسلمانوں کی تباہی اور بربادی کے لئے سارے ہتھکنڈے استعمال کئے۔ ہنٹر کی رپورٹ کے مطابق نظامت بنگالہ میں اسی ہزار مدارس تھے لیکن ۱۹۳۰ء میں فارغ التحصیل ہونے کے بعد سید عثمان صاحب مرحوم نے جب کلکتہ جیسے شہر پر نگاہ ڈالی جہاں دس لاکھ مسلمان آباد

تھے تو انہیں مسلمانوں کا کوئی جدید طرز کا تعلیمی ادارہ نظر نہیں آیا۔
لہٰذا سب سے پہلے عثمان صاحب مرحوم مسلمانوں کی تعلیمی فلاح و بہبود
کی طرف متوجہ ہوئے۔ انہوں نے زکریا اسٹریٹ کلکتہ میں پریسی ڈینسی
ہائی اسکول کے نام سے مسلمانوں کیلئے ایک جدید تعلیمی ادارہ قائم کیا۔ اس
ادارے سے سیکڑوں ہزاروں مسلمان طلبا فارغ التحصیل ہوکر نکلے۔ اور
ہندوستان میں بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہوئے۔ عثمان صاحب ۱۹۴۷ء
تک اس اسکول کے ہیڈ ماسٹر کے فرائض انجام دیتے رہے۔

اس اسکول سے فارغ التحصیل ہوکر جو مسلمان طلبا نکلے انہوں نے مسلم
لیگ تحریک کو کامرانی کی اعلیٰ منزلوں تک پہنچانے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا
عثمان صاحب کی شخصیت اس لحاظ سے بھی اپنی مثال آپ ہے کہ انہوں
نے نہ صرف خود اپنی تقریروں سے مسلمانوں کے مردہ جسم میں حرارتِ زندگی دوڑا
دی۔ بلکہ ایک تعلیمی ادارہ قائم کرکے طلبا کی اتنی بڑی جماعت پیدا کردی جس
نے مسلم لیگ تحریک کو ہندوستان کے طول و عرض میں زندہ جاوید کردیا۔
اور اسے وہ مقام عطا کردیا جس کی وجہ سے آل انڈیا مسلم لیگ کو لازوال
کامیابی حاصل ہوئی۔

مولانا شائق احمد عثمانی:۔ کلکتہ مسلم لیگ نادرِ روزگار اس لئے بنی
کہ وہ عظیم بالشان شخصیتوں کے کاندھوں پر سوار تھی۔ مولانا عبدالرؤف داناپوری
مولانا شائق احمد عثمانی، مولانا راغب احسن اور سید محمد عثمان کلکتہ مسلم لیگ
کے اعصاب و جوارح تھے۔ یہ ایسی شخصیتیں تھیں جن پر سارا ہندوستان فخر کرتا تھا
یہی وجہ تھی کہ کلکتہ مسلم لیگ آل انڈیا مسلم سیاسیات کی نہ صرف نمائندگی کرتی تھی

بلکہ اس کی رہبری کے فرائض بھی انجام دیتی تھی۔ مولانا شائق احمد عثمانی نے ارشاد فرمایا "عثمان مرحوم ہمارے ساتھیوں میں ایک ہیرا یاں تھے۔ ایسی ہستی تھی جس کی مثال ممکن نہیں۔ عثمان صاحب نے اپنی طالب علمی کے زمانے میں یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ پوری زندگی ملک و ملت کی ترقی و فلاح کیلئے وقف کر دوں گا۔ شائق احمد عثمانی صاحب اس بات کے گواہ ہیں کہ عثمان صاحب مرحوم نے قوم سے کیا ہوا عہد حرف بہ حرف پورا کیا اور قومی زندگی کی عظمتوں سے کسی قسم کی منفعت کبھی حاصل نہیں کی۔

قائداعظم کا پہلا رہنما: - تاریخ ہند کا ہر طالب علم واقف ہے کہ مسٹر جناح بحیثیت قوم پرست رہنما (NATIONALIST LEADER) ۱۹۳۴ء تک مشہور و معروف تھے۔ وہ جداگانہ انتخاب اور مسلم قومیت کے تصور کے سخت مخالف تھے۔ انہیں ہندو مسلم اتحاد کا پیغمبر (AMBASSADOR OF HINDU MUSLIM UNITY) کہا جاتا تھا۔ جس پر وہ فخر کناں تھے۔ وہ مسلم گوکھلے (GOKHALE) بننا چاہتے تھے۔ ان کے نزدیک ہندو زعماء کی شخصیتوں میں گوکھلے پسندیدہ تھے اس کے نقش قدم کو اپنانا چاہتے تھے۔ حالانکہ مسلم قومیت کی تحریک ایک عرصۂ دراز سے ہندوستان کے گوشے گوشے میں بیدار ہو چکی تھی۔ سن ۱۹۳۰ء میں علامہ اقبال نے الہ آباد سیشن میں آل انڈیا مسلم لیگ کی کرسئ صدارت سے مغربی پاکستان کا تصور پیش کر دیا تھا۔ مسٹر جناح کو بھی اس تصور سے ہم آہنگ کرنے کی سعئ بلیغ کی تھی، لیکن اقبال انہیں رام نہ کر سکے۔ اس کے علاوہ اقبال کے تصور پاکستان سے بہت قبل ۱۹۱۱ء میں بنگال کا مسلم اکثریت کا صوبہ وجود میں

اٹھ سکا تھا۔ سر علی امام کی کاوشوں کی وجہ سے بہار اور اڑیسہ کے صوبوں کو نظامت بنگالہ سے الگ کر دیا گیا تھا۔ اور بنگال میں مسلم اکثریت قائم کر دی گئی تھی۔ اور اس طرح مشرقی پاکستان کے قیام کی راہ ہموار ہو گئی تھی۔ مزید برآں ۱۹۱۷ء میں سر علی امام نے بحیثیت وزیر اعظم سلطنت آصفیہ حیدر آباد دکن حضور نظام کے سامنے ایسی اسکیم پیش کی تھی جس کی رو سے جنوب میں مسلم اکثریت کا ایک خطہ وجود میں آجاتا اور اس کا نام جنوبی پاکستان ہوتا۔ جن افکار و کردار کی وجہ سے ڈاکٹر سر محمد اقبال سر علی امام کے قصیدہ خواں تھے۔ ان کی شان میں ایک طویل قصیدہ سپرد قلم کیا اور اپنی کتاب اسرار خودی ان کے نام نامی سے معنون کیا۔ مسٹر جناح ہندوستان کی ان تمام تحریکات سے واقف تھے اور مسلمانان ہند کی جدوجہد کو دیکھ رہے تھے۔ لیکن اس کے باوجود وہ جداگانہ انتخاب کی نظر سے ہم آہنگ نہیں تھے۔

دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کی جب تیاری ہو رہی تھی۔ تو الہ آباد میں سر شفاعت احمد خاں مرحوم کے مکان پر مسلمان قائدین کا ایک اجتماع ہوا۔ مسٹر جناح اس جلسے میں شریک تھے۔ لیکن کسی کی ہمت نہیں تھی۔ کہ مسٹر جناح کو جداگانہ انتخاب کی افادیت سے گوش گذار کرتا۔ ڈاکٹر سر شفاعت احمد خاں نے عثمان صاحب مرحوم کو اپنے پاس بلایا۔ اس وقت یہ جوانی کے نشے سے سرشار، بہت تیز اور طرار تھے۔ اپنی رفتار و گفتار سے لوگوں کو گرویدہ کر لیا کرتے تھے۔ ہندوؤں کے مظالم کے سینکڑوں واقعات ان کی نوکِ زبان تھے۔ جن کا مشاہدہ انہوں نے بچشم خود کیا تھا۔ سر شفاعت احمد خاں نے نوجوان سید عثمان کو مسٹر جناح کے جیسے ماہر سیاست سے گفتگو

رنے کیلئے مجبور کیا تاکہ وہ مسٹر جناح کو جداگانہ انتخاب کی فکر کا حامی بنا سکیں۔

سید محمد عثمان مرحوم مسٹر جناح سے دو گھنٹے تک محوِ گفتگو رہے بحث و تمحیث کے بعد ہندوؤں کے مظالم کے واقعات کا ایک سلسلۂ دراز مسٹر جناح کے روبرو رکھ دیا۔ ہندوؤں کی تنگ نظری ان کی انفرادی و اجتماعی مظالم کے واقعات بیان کئے۔ ایسے واقعات جنہوں نے مسٹر جناح کی آنکھیں کھول دیں ہوشربا داستانِ مظالم کو سن کر مسٹر جناح بہت متاثر ہوئے اور جب ان کے سامنے ہندوؤں اور مسلمانوں کے بنیادی اختلافات کی گرہیں کھول دی گئیں تو ان کی سمجھ میں بات آگئی۔ انہوں نے آخر کار فرمایا کہ جب حالات ایسے دلخراش ہیں تو ایسی فضا میں میں جداگانہ انتخاب کی تائید کروں گا۔"

مسٹر جناح کے ذہن کو اقبال کے جیسا فلسفی منقلب نہ کر سکا۔ سر علی امام کے جیسا بے مثال مدبر متغیر نہ کر سکا لیکن سید عثمان کے جیسے ایک نوجوان نے ان کے نظریہ میں انقلاب برپا کر دیا۔ سید صاحب کی بے لوثی کا جادو چل گیا اور مسٹر جناح پہلی دفعہ جداگانہ انتخاب کی تائید کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

سیکریٹری کلکتہ مسلم لیگ: ۱۹۳۲ء میں سید عثمان صاحب مرحوم کو کلکتہ مسلم لیگ کا سکریٹری جنرل منتخب کیا گیا جس عہدے پر وہ قیام پاکستان تک فائز رہے ایسے ذمہ دار اور بلند مرتبہ عہدے پر بارہ سال تک متمکن رہنا اور بحیثیت سیاسی کارکن اپنی ذات کو ہر طرح کی آلائشوں سے پاک رکھنا عثمان صاحب ہی کا کارنامہ ہے۔ ان پر کسی قسم کی بدعنوانی کا الزام عائد کرنے کی جرأت کسی شخص نے آج تک نہیں کی۔ عثمان صاحب کی ذات ستودہ صفات پر انگشت نمائی غیر ممکن ہے بحیثیت سیکریٹری کلکتہ مسلم لیگ وہ قائداعظم

کے دستِ راست تصور کیے جاتے تھے کلکتہ مسلم لیگ کے سکریٹری کے عہدے

پر برپتی ڈنسی مسلم ہائی اسکول کا ہیڈ ماسٹر جب سے فائز ہوا اس وقت سے کلکتہ

مسلم لیگ کلکتہ مسلم لیگ بن گئی سارے ہندوستان میں طاقت اور توانائی کا ایک عظیم سرچشمہ

اس لئے کہ ہیڈ ماسٹر کے حکم پر سر دھڑ کی بازی لگانے والے طلبا کی ایک بہت بڑی کثیر تعداد

مسلم لیگ کی پالیسی اور پروگرام کو قریہ قریہ گاؤں گاؤں اور شہر شہر پہنچانے کیلئے

ہمہ وقت کھڑی رہتی تھی۔ اپنے عظیم استاد کے نقشِ قدم پہ چلنے کے لیے پرجوش

طلبا کا گروہ بے تاب رہتا تھا۔ آل انڈیا مسلم لیگ کی تاریخ میں کسی شاخ کے سکریٹری

کے عہدے پر کوئی ہیڈ ماسٹر فائز نظر نہیں آتا۔ اور وہ بھی عثمان صاحب کے جیسا

زعیمِ ملت۔

عثمان صاحب مرحوم کو ۱۹۴۳ء میں کلکتہ کارپوریشن کا کونسلر منتخب کیا گیا اور ۱۹۴۶ء

میں کلکتہ کارپوریشن کے میئر کے عہدے کے لیے ان کا انتخاب عمل میں آیا جس عہدے

کے حصول کے لیے اصفہانی صاحب بھی میدان میں کود پڑے تھے لیکن انہیں منہ کی کھانی

پڑی اس لیے انہوں نے انتہائی حقارت آمیز الفاظ میں سید عثمان صاحب کا تذکرہ

اپنی کتاب میں کیا ہے کہ "ان کے مقابلے میں ایک ماسٹر کو کھڑا کر دیا گیا تھا" حالانکہ حقیقت

یہ ہے کہ اصفہانی کے مقابلے کیلئے ایک عظیم مقرر، ایک بیدار مغز سیاسی، ایک بے لوث

مسلمان ایک بے باک مجاہد، ایک بے مثال کارکن، ایک نڈر سپاہی، ایک بے نیاز

انسان اور ہمہ گیر شخصیت کو بنگال مسلم لیگ نے کھڑا کیا تھا جس کا مقابلہ ظاہر ہے

اصفہانی کے لیے لاکھوں اصفہانی نہیں کر سکتے تھے۔ عثمان صاحب پانچ سال تک

اس عہدہ جلیلہ پر فائز رہے اور مسلمانوں کیلئے کارپوریشن کی طرف سے بے مثال خدمات

انجام دیں اور بلا واسطہ اور بالواسطہ کسی قسم کا ذاتی فائدہ کبھی حاصل نہیں کیا۔

۱۶ اگست ۱۹۴۶ء کو جب یوم راست اقدام منایا گیا اور کلکتہ میں ہندو مسلم فسادات کا سلسلہ شروع ہوا تو آپ کے گھر پر جو اسکول کی بالائی منزل پر تھا۔ برلا ہاؤس کی طرف سے گولیوں کی بارش شروع ہونے لگی مگر عثمان صاحب مسلمانوں کے محلوں میں مسلمانوں کی جان و مال کو بچانے میں اس طرح مصروف تھے کہ تین دنوں تک ان کو اپنے بال بچوں کا حال معلوم نہ ہو سکا۔ دن رات مسلمانوں کی حفاظت کو اپنی زندگی سے زیادہ عزیز رکھے ہوئے تھے۔ نہ کھانے کا ٹھکانہ تھا نہ سونے کا بندوبست۔

جب نواکھالی میں ہندو مسلم فساد برپا ہوا تو گاندھی کا بیان شائع ہوا کہ "میں نواکھالی کی آگ پر دو لوٹے پانی ڈال کر بجھانے کیلئے جا رہا ہوں" گاندھی کے اس شرارت آمیز بیان کی وجہ سے بڑی تشویش لاحق ہوئی اور کلکتہ میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان فسادات کے اور بگڑ جانے کا اندیشہ لاحق ہوا۔ گاندھی کلکتہ میں موجود تھا لیکن ہندوؤں کے محلے میں ٹھہرا ہوا تھا۔ ہندو مسلم فساد کے بعد کلکتہ دو حصوں میں تقسیم ہو گیا تھا ہندو کلکتہ اور مسلم کلکتہ۔

ہندوؤں کے محلے میں جانا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔ مسلمانوں کی جان خطرے سے ہمکنار تھی لیکن عثمان صاحب کو بحیثیت ایک ذمہ دار عہدیدار گاندھی سے ملنا ضروری تھا۔ اس لئے وہ ایک روز ایک جراًت مند مسلمان ڈرائیور کو ساتھ لیکر ہندوؤں کے محلوں سے گذرتے ہوئے گاندھی

کے پاس پہنچ ہی گئے اور ان کو مجبور کر دیا کر نواکھالی کی آگ کو بجھانے سے پہلے کلکتہ کی آگ بجھائی جائے۔ گاندھی عثمان صاحب کی گفتگو سے متاثر ہوا اور اس نے اعلان کیا کہ میں اور سید محمد عثمان صاحب مسلمانوں کے محلے میں ایک ہی مکان میں رہیں گے اور امن قائم کریں گے"۔ اس اعلان کے بعد کلکتہ میں امن قائم ہو گیا

عثمان صاحب کو خواجہ ناظم الدین نے بحیثیت وزیر اعلیٰ مشرقی پاکستان قلمدان وزارت تعلیم پیش کیا تھا مگر انہوں نے اس پیش کش کو قبول نہیں کیا جب خواجہ ناظم الدین بحیثیت گورنر جنرل کراچی تشریف لائے تو انہوں نے سید عثمان صاحب کو مختلف مقامات کی سفارت پیش کی۔ پہلے مصر بھیجنا چاہا پھر مغربی جرمنی اور اس کے بعد انڈونیشیا مگر انہوں نے ان خدمات کو قبول کرنے سے معذرت کا اظہار کیا ان کی زندگی کا ہر ورق گواہی دے رہا ہے کہ انہوں نے مسلم حکومت سے کسی قسم کی منفعت حاصل کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ آج ان کا خاندان عسرت کا شکار ہے اور حکومت کے ارباب کو اس کی کوئی خبر نہیں۔

عثمان صاحب کی زندگی سادگی، صفائی اور طہارت کی ایک کھلی ہوئی کتاب تھی۔ انہوں نے کبھی سوٹ زیب تن نہیں کیا ۱۹۵۰ء میں کعبۃ اللہ کی زیارت کی سعادت بھی حاصل کی۔ اقبال کا یہ شعر ان کی شخصیت پر صادق آتا ہے،

نگہ بلند سخن دلنواز جاں پرسوز
یہی ہے رخت سفر میر کارواں کیلئے

اتحاد المسلمین کی طرف سے میر لائق علی مرحوم وزیر اعظم حیدرآباد دکن نے سید صاحب مرحوم کو ممالک اسلامیہ کے مشن پر بھیجا لیکن یہ فرائض خفیہ طور پر انجام دیئے گئے اس لئے سارے واقعات طشت از بام نہ ہو سکے۔ عثمان صاحب

مرحوم نے مسلم حکمرانوں کو ہندوستان کی ہندو سیاست کی جارحیت سے واقف کرایا۔ اور انہیں حیدرآباد دکن کی سیاست کی خاص نوعیت سے آگاہ کیا تاکہ وہ لوگ حکومت برطانیہ پر اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے حیدرآباد دکن کی ڈوبتی کشتی کو سہارا دے سکیں۔

آل انڈیا مسلم لیگ کو نظر انداز کیا گیا

برطانوی حکومت

کانگریس اور مسلم لیگ کی جماعتوں سے ہندوستان کی حکومت کے اختیارات کی منتقلی کے سلسلے میں ایک عرصہ دراز سے گفت و شنید ہو رہی تھی۔ برطانوی حکومت نے ان دونوں جماعتوں کو یقین دلایا تھا کہ دونوں کے ساتھ منصفانہ برتاؤ کیا جائیگا۔ اور حکومت ہند میں دونوں کو شریک کیا جائیگا۔ لیکن ۱۹۴۶ء کے ابتدائی زمانے میں جب لارڈ ویول ہندوستان کے وائس رائے کے عہدے پر فائز ہوئے تو انہوں نے بھی ہندوؤں اور مسلمانوں کے نمائندوں سے مسلسل گفتگو کی اور انہیں حکومت میں شریک ہونے کی دعوت دی۔ چند بنیادی اصولوں پر اختلاف رونما ہوا۔ تو ہندوستان کے وائس رائے نے آل انڈیا مسلم لیگ کو جو مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت کی دعویدار تھی نظر انداز کر دیا اور کانگریس کے نمائندوں کو اپنی حکومت میں شریک کر کے ہندوستان کی قومی حکومت بنا ڈالی

جب آل انڈیا مسلم لیگ کو نظر انداز کیا گیا تو مسٹر جناح برطانوی حکومت کی اس روش سے بہت زیادہ بدظن ہو گئے اور ان کی سیاست

ناکامیوں سے ہمکنار نظر آئی۔ اس زمانہ میں کلکتہ مسلم لیگ ہی نے
برطانوی حکومت کے اس چیلنج کو قبول کیا اور مسٹر جناح کو گوش گذار
کیا کہ جب آل انڈیا مسلم لیگ کو برطانوی حکومت نے نظر انداز کر دیا
ہے تو اب اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ حکومت برطانیہ کے خلاف
راست اقدام کیا جائے۔ مسٹر جناح کلکتہ مسلم لیگ کی اس تجویز سے
متفق ہوئے اور ۱۶ اگست ۱۹۴۶ء کو یوم راست اقدام منانے کا اعلان
کیا۔ یہ دن سارے ہندوستان میں اس لئے منایا گیا تاکہ حکومت برطانیہ
کو یہ یقین دلایا جائے کہ اگر وہ مسلمان قوم کو سیاسی اختیارات کی منتقلی
کے وقت نظر انداز کریگی تو دس کروڑ کی ملت اسلامیہ ایک آواز بن کر
حکومت برطانیہ کی مخالفت پر کربستہ ہو جائیگی اور کسی راست اقدام سے
دریغ نہیں کریگی۔ ۱۶ اگست کو کوئی راست اقدام نہیں کیا گیا بلکہ یہ
دن تو صرف اس ارادے کے اظہار کا دن تھا۔ اس تجویز کی اشاعت
تھی اور مسلمانانِ ہند کے جذبے کا مظاہرہ تھا لیکن یہ بات بھی ہندوستان
کے ہندوؤں کو پسند نہیں آئی اور انہوں نے یوم راست اقدام منانے ہی
پر فسادات کی ابتدا کر دی اور مسلمانانِ کلکتہ کا قتل عام شروع کیا ظاہر ہے
ہر عمل کا ردِ عمل ہوتا ہے۔ مسلمانانِ کلکتہ نے بھی اس کا جواب دیا۔ کشتے کے
پشتے لگا دیئے۔ بے انتہا نقصان پہنچایا لارڈ ویول کے ہوش اڑ گئے۔

کلکتہ میں ہندوؤں کی زبردست اکثریت تھی لیکن مسلمانوں نے اقلیت
میں ہوتے ہوئے ہندوؤں کو ایک سبق دیا۔ لارڈ ویول کلکتہ تشریف لائے۔
بربادی اور تباہی کو دیکھ کر متاثر ہوئے اور آخر کار عارضی حکومت میں مسلم لیگ

کو شرکت کی دعوت دی۔ اور جب مسلم لیگ حکومت میں شریک ہوئی تو کلکتہ میں امن قائم ہو گیا۔

آل انڈیا مسلم لیگ کے نمائندوں کی عارضی حکومت میں شرکت کلکتہ ایکشن کی مرہون منت ہے۔ اگر کلکتہ میں فسادات نہ ہوتے تو مسلم لیگ کامیابی کے زینے پر نہیں چڑھ سکتی تھی۔ اگر یہ دعویٰ کیا جائے کہ عارضی حکومت ہند میں مسلم لیگ کی کامیابی حسین شہید سہروردی اور سید محمد عثمان کی منت کش ہے۔ تو اس سے انکار محال ہے۔

سید محمد عثمان مرحوم سابق میئر کلکتہ کی وفات حسرت آیات پر علامہ راغب احسن کا اظہار تعزیت تاریخی اہمیت کا حامل ہے ان کے الفاظ سے مشرقی اور مغربی پاکستان کے مقامی مسلمانوں کی ذہنیت کی بڑی حد تک عکاسی ہوتی ہے۔ بیان ملاحظہ کیجئے!

"طویل علالت کے بعد کلکتہ مسلم لیگ کے سابق جنرل سکریٹری سید محمد عثمان ایم اے ایل ایل بی ۲۷ اگست کو وفات پا گئے انہیں شیر شاہ کالونی کے قبرستان میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ نماز جنازہ میں ان کے دوستوں، عزیزوں اور بہی خواہوں کی ایک بڑی تعداد نے شرکت کی۔

سید محمد عثمان جوانی میں انگریزوں سے نفرت کرتے تھے انہوں نے میرے ساتھ ملکر انگریزوں کے خلاف تحریک خلافت میں شمولیت اختیار کی جو اس وقت علی برادران کی قیادت میں جاری تھی۔ مرحوم اور میں گرفتار کر کے علی پور جیل میں ڈال دیئے گئے۔ جہاں اُس وقت مولانا ابوالکلام آزاد اور مسٹر سی۔ آر۔ داس جیسے رہنما مقید تھے ہم دونوں نے علی پور جیل میں حلف اٹھایا کہ ہم اپنی زندگیاں اسلام اور ملت کی سربلندی کے لئے وقف کر دیں گے۔ زندگی میں کبھی کوئی سرکاری عہدہ قبول نہیں کریں گے۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہم نے اپنی زندگیاں گزار دیں۔ لیکن کوئی سرکاری عہدہ قبول نہیں کیا ایس۔ ایم عثمان ایم اے ایل ایل بی تھے لیکن اس کے باوجود انہوں نے کبھی وکالت کو بطور پیشے کے اختیار نہیں کیا۔ ۱۹۱۸ء سے

سنہ ۱۹۳۰ء تک تحریک خلافت میں کام کیا تین مرتبہ گرفتار ہوئے۔ اس کے بعد تحریک مجاہدین میں شریک ہوئے اور جہاد کرنے کے لئے حلف اٹھایا۔ میں نے کلکتہ ٹاؤن ہال میں پہلی مسلم لیگ کانفرنس منعقد کی اور مجلسِ استقبالیہ کے صدر کی حیثیت سے مولانا حسرت موہانی کے ساتھ کانگریس کو کامیاب بنایا جس کی صدارت مولانا ظفر علی خاں نے کی مسلم لیگ کے ۱۹۳۷ء کے تاریخ ساز سالانہ اجلاس سے قبل سید محمد عثمان کلکتہ مسلم لیگ کے جنرل سکریٹری بنے اس کے بعد مرحوم مسلم لیگ کی روحِ رواں بن گئے انہوں نے ہی ڈائریکٹ ایکشن ڈے کو کامیاب بنایا جس نے لندن اور واشنگٹن کو ہلا کر رکھ دیا اور پاکستان معرضِ وجود میں آیا۔ حقیقت یہ ہے کہ سید محمد عثمان مرحوم حسین شہید سہروردی اور راقم الحروف نے متحدہ طور پر پاکستان کے قیام کے لئے جو جدوجہد کی اس نے تاریخ ساز ایسے باب مرتب کئے جو ابھی تک مخفی ہیں اور عوام کی نظروں سے اوجھل لیکن جن کا اظہار قائداعظم مرحوم و مغفور نے کیا۔ سید عثمان میرے ہمراہ دسمبر ۱۹۴۷ء میں کراچی آئے اور مسلم لیگ کانفرنس میں شرکت کی جس کی صدارت قائداعظم نے کی تھی۔ میں تو واپس کلکتہ چلا گیا لیکن وہ کراچی میں مستقل طور پر آباد ہو گئے۔ اور بے داغ زندگی گزاری۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کی موت سے پاکستان ایک بہادر سپاہی سے محروم ہو گیا۔ اور میں ایک ایسے دوست اور ہمدرد سے جس کے ساتھ مل کر ملک اور قوم کی خدمت کی تھی۔

جناب مجید نظامی ایڈیٹر نوائے وقت نے سید محمد عثمان کے انتقال پُرملال پر بتاریخ ۳۱ اگست ۱۹۷۵ء مندرجہ ذیل اداریہ تحریر کیا۔

دنوں کی گردش کی ایک کرشمہ آرائی نامورروں کو گمنام بنا دینے کے انداز میں بھی ظاہر ہوتی ہے۔ اس کا احساس اخبارات میں کلکتہ کارپوریشن کے سابق میئر اور ایک زمانہ میں مسلم لیگ کے بے حد ممتاز رہنما سید محمد عثمان کے کراچی میں وفات پانے کی بہت ہی مختصر خبر دیکھ کر ہوا ہے جناب سید محمد عثمان ایم۔اے ایل ایل بی اپنی ہمت اور قومی خدمت کے سبب سے بڑے آدمی بنے تھے کلکتہ ہندو بنگال کا مرکز تھا اور آزادی سے پہلے کسی ایسے مسلمان کا اس کی کارپوریشن کا میئر منتخب ہونا کوئی معمولی کارنامہ نہیں تھا جو مسلمانوں کی قومی جماعت مسلم لیگ کی خدمت کی وجہ سے نیک نام ہوا۔ یہ وہ زمانہ بھی تھا جب مطالبہ پاکستان کی وجہ سے مسلمانوں کے لیے ہندوؤں کی مخالفت جنون کی حدود کو چھو رہی تھی۔ کلکتہ میں جناب عثمان کی یہ شان بھی تھی کہ مسلم بنگال کے تمام بڑے لیڈر بھی ان کی دوستی کو اپنے لئے باعث فخر سمجھتے تھے۔ لیکن ہجرت کے بعد وہ پاکستان تشریف لائے تو آہستہ آہستہ وہ اس لئے گوشہ گمنامی میں چلے گئے کہ نہ متروکہ املاک کی لوٹ کھسوٹ کی دوڑ میں شامل ہوئے اور نہ ان کی غیرت طبع نے سابقہ قومی خدمات کو مفاد پرستانہ سیاست کی بنیاد بنانا گوارا کیا مزید برآں وہ فرزند سرزمین بھی نہیں تھے اس لئے جب سیاسی معاملات میں علاقائی تعلق کو اہمیت حاصل ہو گئی تو مشرقی پاکستانی لیڈروں نے بھی اپنے بہاری نژاد اس بہت بڑے محسن سے آنکھیں پھیر لیں۔ یہ اپنی جگہ بہت بڑا المیہ ہے کہ جناب عثمان ایسے بے لوث خادمانِ ملک وملت کی قدر افزائی اور ان کی شایانِ شان عزت و تکریم کے سوتے اب رواں دواں نہیں رہے۔ لیکن جہاں بھی برصغیر کے مسلمانوں

ی تحریک آزادی کے خادموں اور مجاہدوں کا تذکرہ ہوگا۔ واقف حال حلقوں
میں جناب محمد عثمان کو خراج تحسین پیش کرنا ضروری سمجھا جائے گا۔

پاکستان کی جدوجہد کا آغاز

یہ ایک ناقابل انکار تاریخی حقیقت ہے کہ اگر ہندوستان کے شمال مشرقی اور شمال مغربی گوشوں میں مسلمانوں کی اکثریت موجود نہیں ہوتی تو پاکستان کبھی عالم وجود میں نہیں آسکتا تھا پاکستان کے مورخین کو دریافت کرنا چاہیئے کہ ہندوستان کے مشرقی اور مغربی گوشوں میں مسلمانوں کی اکثریت کس طرح قائم ہوئی؟ اس کا تاریخی پس منظر کتابوں میں پھیلا ہوا ہے اس جگہ مختصراً اس صداقت کی طرف لئے لے کافی ہے کہ ان دونوں حصوں میں گوتم بدھ کے ماننے والوں کی اکثریت موجود تھی جنہیں اپنے وطن ہند کی سرزمین سے برہمنی مذہب کے ماننے والوں نے پانچویں صدی عیسوی میں یک بینی و دو گوش نکال دیا ساتویں صدی میں اسلام کی آمد کے بعد ساری دنیا میں بدھ مذہب کے ماننے والوں نے سب سے زیادہ تعداد میں اسلام کے پیغام پر لبیک کہا اسی لیے ان دونوں گوشوں میں مسلمانوں کی اکثریت قائم ہوگی

اٹھارھویں صدی اور برطانوی راج

ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت بارہویں صدی کے آخر میں قائم ہوئی اور اورنگ زیب عالمگیر کی وفات (۱۷۰۷ء) تک مستحکم رہی مسلمان بحیثیت اقلیت اکثریت پر حکمران رہے انگریزوں نے چال بازی، سازش، توڑ و اور حکومت کرو کی پالیسی پر کاربند ہو کر ہندوستان میں اپنا اقتدار قائم کیا برطانوی سامراج نے اپنے دور میں جمہوری طرز حکومت کے قیام کی کوشش کی جس کا مقصد اکثریت کی حکمرانی تھی برصغیر میں ہندوؤں کی غالب اکثریت تھی جمہوریت قائم کرنے کا منشا یہی تھی کہ ہندوؤں کی حکومت مسلمانوں پر مسلط کر

دی جائے۔

انیسویں صدی کے وسط میں جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد جب انگریزوں نے برصغیر میں جمہوری طرز حکومت کے قیام سے متعلق خیالات وافکار کا اظہار کرنا شروع کیا تو مسلمانوں کے کان کھڑے ہوئے انہوں نے باور کرلیا کہ اگر جمہوری حکومت قائم ہوگئی تو مسلمان ہمیشہ کے لئے ہندوؤں کے غلام بن جائیں گے اسی غلامی سے نجات حاصل کرنے کے لئے انہوں نے سیاسی جدوجہد کا آغاز کیا اسلام نے تو ان کی امداد کر ہی دی تھی مشرقی اور مغربی گوشوں میں مسلمانوں کی اکثریت قائم ہوچکی تھی مسلمانوں نے فیصلہ کیا کہ جمہوریت کی بنیاد پر جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے وہاں مسلمانوں کو سیاسی اقتدار دے دیا جائے اور جہاں ہندوؤں کی اکثریت ہے وہاں ہندوؤں کو حکومت سونپ دیا جائے اس لئے کہ ہندو اور مسلمان دو مختلف قومیں ہیں اور ان کی تہذیب و تمدن کے دو مختلف دھارے یہی ابتدائی نقوش تھے جن کی طرف مسلمان رہنماؤں نے ہمیشہ توجہ دلائی لیکن سیاسی فضاؤں میں کبھی تلاطم بھی برپا ہوا۔ کچھ لوگ متحدہ قومیت کے بھی حامل بن گئے سیاسی اتحاد اگرچہ دیکھا دیکھا تو ہوا لیکن ہندوؤں اور مسلمانوں میں فکری اور نظری اتحاد کبھی نہیں ہوسکا اور نہ ہوسکتا تھا۔

برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کو سب سے پہلے سیاسی طور پر بیدار کرنے کا سہرا مسٹر جسٹس امیر علی کے سر ہے جنہوں نے ۱۸۷۶ء ہی میں مسلمانان برصغیر میں سیاسی شعور پیدا کرنے کے لئے ایک انجمن قائم کی جس کا نام آل انڈیا سنٹرل نیشنل محمڈن ایسوسی ایشن رکھا اس انجمن کی چھپن شاخیں برصغیر پاک و ہند کے ہر گوشے میں فعال تھیں جسٹس امیر علی کے کارنامے زندہ جاوید ہیں ان کی تحریر و تقریر کے مطالعہ سے اس زمانے کے سیاسی نظریات وافکار روشنی

روشن کی طرح عیاں ہو جاتے ہیں ان کی انجمن نے ربع صدی سے زیادہ عرصہ تک مسلمانانِ برصغیر کی ملی خدمات انجام دیں انہوں نے سب سے پہلے لارڈ ڈفرن کے سامنے مسلمانانِ ہند کے سیاسی مطالبات ایک میمورنڈم کی شکل میں پیش کیے ان کے قومی تشخص کو واضح کیا آنے والی نسل نے انہی کے قدم کے نشانات سے رہبری حاصل کی اسی انجمن کی سیاسی جدوجہد کا نتیجہ نظر آتا ہے کہ لارڈ کرزن نے ۱۹۰۵ء میں بنگال کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہندو بنگال اور مسلم بنگال اس تقسیم کا مدعا یہی تھی کہ مسلمانوں کی اکثریت کے علاقوں کو ایک جگہ مجتمع کیا جائے تاکہ جمہوریت کے انعقاد کے وقت مسلمانوں کی اکثریت کے علاقوں میں ان کو سیاسی اقتدار منتقل کر دیا جائے لیکن اس تقسیم کے خلاف ہندوؤں نے آسمان سر پر اٹھا لیا۔

برطانوی حکومت ہندوؤں کے شور و شغب سے متاثر ہوئی اور تقسیم بنگالہ کو کالعدم قرار دے دیا لیکن مسلم ہندوستانی مسلمانوں کی اکثریت کا صوبہ قائم کرنے کی تحریک کو شکست سے ہمکنار نہیں دیکھ سکتا تھا اسی لیے بہار اڑیسہ کے مسلمان ایثار اور قربانی کے لیے کمربستہ ہو گئے اس دور میں سر علی امام کا طوطی بول رہا تھا جو وائسرائے کی مجلس منتظمہ کے وزیر قانون تھے انہوں نے بہار اور اڑیسہ کو بنگال سے الگ کر دینے کی تحریک شروع کی اور کامیابی نے ان کے قدم چومے۔

برطانوی حکومت نے ۱۹۱۱ء میں جب تقسیم بنگالہ کو کالعدم قرار دیا تو بہار اڑیسہ کا صوبہ بھی قائم کر دیا جس کی وجہ سے بنگال کے صوبے میں مسلمانوں کی اکثریت قائم ہو گئی اور مسلمانانِ ہند ایک فتح و کامرانی سے ہمکنار ہوئے لیکن بہار اور اڑیسہ کے مسلمان مقابلہ میں اقلیت میں تبدیل ہو گئے جب بہار اور اڑیسہ بنگال سے ملحق تھا تو مسلمانانِ بہار اڑیسہ کی آبادی چالیس فیصد سے زیادہ شمار ہوتی تھی لیکن جب بہار اڑیسہ بنگال سے جدا کر دیا گیا تو بہار میں مسلمانوں کی آبادی دس فیصد اور اڑیسہ میں

چار فیصد ہو گئی بنگال کو مسلمانوں کی اکثریت کا صوبہ بنانے میں بہار اور اڑیسہ کے مسلمانوں
کی قربانیاں تاریخ ساز حقائق ہیں سر علی امام اور مسٹر مظہر الحق کے مساعی جمیلہ بھی ناقابل
فراموش تاریخی کارنامے ہیں جن کی وجہ سے مشرقی پاکستان کے وجود کیلئے راہ ہموار ہوئی.

۱۹۰۴ء میں جسٹس امیر علی پریوی کونسل کے جج مقرر ہو کر انگلستان روانہ
ہو گئے اس لیے ان کی سیاسی انجمن کے دم خم میں فرق محسوس ہونے لگا تقسیم
بنگالہ کے سلسلے میں ہندوؤں نے اپنی اسلام دشمنی کا ایسا انسانیت سوز مظاہرہ کیا
اور ہندوستان میں لاقانونیت کا ایسا سیلاب رواں دواں ہوا کہ مسلمانان ہندوستان
کو ایک دوسری سیاسی انجمن کے قیام کی ضرورت محسوس ہوئی لہذا ۱۹۰۶ء میں
جب مسلمان زعما تعلیم کے فروغ کے سلسلے میں ڈھاکہ میں جمع ہوئے تو ایک سیاسی
انجمن کی بنیاد رکھنے کی تجویز بھی منظور کی گئی اس طرح آل انڈیا مسلم لیگ
کی داغ بیل ڈالی گئی۔

یہ ایک حسن اتفاق ہی نہیں بلکہ تاریخ ساز کارنامہ بھی ہے کہ آل انڈیا
مسلم لیگ کی بنیاد رکھنے کے سلسلے میں جو پہلا جلسہ منعقد ہوا اس کی صدارت
جسٹس شرف الدین مرحوم نے فرمائی جو کلکتہ ہائی کورٹ کے جج بھی تھے تاریخ
اپنے آپ کو ہمیشہ دوہراتی ہے ۱۹۳۵ء میں جب آل انڈیا مسلم لیگ کی نشاۃ
ثانیہ کی ابتدا ہوئی تو اس کی باگ ڈور بھی قدرت کاملہ نے علامہ راغب احسن
کے ہاتھوں میں دے دیا جو صوبہ بہار کے ایک عظیم فرزند تھے۔

۱۹۱۱ء مسلمانان ہندوستان کی کامیابی کا سال تھا اس لئے کہ شمال مشرقی
گوشے میں مسلمانوں کی اکثریت کے پیش نظر ایک صوبہ قائم ہو گیا لیکن اسی
سال جنگ طرابلس کا بھی آغاز ہوا ترکوں کے خلاف یورپی ممالک نے سازباز
کیا اور خلافت عثمانیہ کو درہم برہم کرنے کی کوشش کی جنگ طرابلس کے بعد

ترکوں کو جنگ بلقان میں الجھایا گیا جنگ عظیم ۱۹۱۴ء میں ان کا اتحادیوں کے خلاف جرمنی کے ساتھ ہم رکاب ہونا بھی اسی لیئے ضروری ہو گیا تھا ان ادوار میں مسلم ہندوستان اضطراب اور بے چینی سے اس طرح دوچار تھا کہ اس نے اپنا سیاسی نصب العین اور اسلامی تشخص کو بھی داؤ پر لگا دیا جب وہ خلافت اسلامیہ کے قتل کرنے کے درپے یورپ کے خلاف سینہ سپر ہوا تو ہندوؤں سے اتحاد اور تعاون کو ملحوظ خاطر رکھا۔

یہی وہ زمانہ تھا جب ہندوستان کے مسلمان زعماؒ کے افکار و نظریات میں ایک گونہ تبدیلی پیدا ہوئی ان کے بڑے بڑے رہبران قوم ہندوؤں کے ساتھ سیاسی اشتراک کے خواہاں نظر آئے خصوصیت کے ساتھ بہار کے مسٹر مظہر الحق ہندو مسلم اتحاد کے سفیر کے لئے معروف ہوئے اور بمبئی کے مسٹر جناح بھی ہندو مسلم اتحاد کے سفیر کے طور پر مشہور ہوئے عزیز ملت سید عبد العزیز بار ایٹ لا پٹنہ کا نام نامی بھی ہندو مسلم اتحاد کے سفیر کیلئے قابل احترام سمجھا جانے لگا یہی [illegible] دور تھا جب مولانا محمد علی جوہر جیسے جاں باز، سرفروش اور بے باک انسان نے گاندھی جیسے سازشی، دھوکے باز اور مکار سیاست دان کو مسلمانوں کا لیڈر تسلیم کر لیا جامع مسجد دلی کے منبر پر شردھانند جیسے کٹر آریا سماج لیڈر اور اسلام دشمن کو لا کھڑا کیا گیا یہی وہ دور تھا جب ۱۹۲۰ء میں کلکتہ کانگریس کے اجلاس میں مسلمانوں کے نمائندوں کی تعداد ہندوؤں سے زیادہ ہو گئی اور حکومت برطانیہ کے خلاف سول نافرمانی کی تحریک کی تجویز منظور ہوئی اور سودیشی مال کا بائیکاٹ۔ تحریک ترک موالات قابل عمل تسلیم کیا گیا۔

مسلمان متحدہ قومیت کے تصور کو عملی جامہ پہنانے کے لیے تیار ہو گئے جداگانہ انتخاب کو خیر آباد کہا مخلوط انتخاب کو اختیار کرنے کی پیش کش کر دی مسٹر جناح

۱۹۳۲ء تک جداگانہ انتخاب کے خلاف تھے اور متحدہ قومیت کے حامی لیکن
ان سیاسی ہنگاموں کے باوجود جو ہندوستان کے طول و عرض میں برپا تھے علامہ اقبال
جیسے فلسفی نے مخلوط انتخاب کے تصور کو کبھی قابل اعتنا نہیں سمجھا وہ ہمیشہ
جداگانہ انتخاب کے حامی رہے انہوں نے مسٹر جناح کو بھی جداگانہ انتخاب کا
حامی بنانا چاہا تھا لیکن ان کو کامیابی نصیب نہیں ہوئی۔ مسٹر جناح ۱۹۳۲ء کے
بعد ہندوؤں کی تنگ نظری اور تنگ ظرفی سے عاجز ہو کر جداگانہ انتخاب کی طرف
مائل ہوئے علامہ راغب احسن نے بھی کبھی مخلوط انتخاب کو قبول نہیں کیا حالانکہ
انہوں نے تحریک خلافت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا اور مولانا محمد علی جوہر
کے دست راست شمار کئے جاتے تھے ان کی زبان اور قلم پر جوہریت غالب
ہو چکی تھی وہ جوہر کی بھٹی میں کندن بن چکے تھے۔

راغب احسن کا مقام

قائد اعظم محمد علی جناح نے اپنے ۵ ارجون ۱۹۴۶ء کے ایک خط میں مولانا راغب احسن کو مندرجہ ذیل الفاظ
میں مخاطب کیا کروڑوں ہیں جو میرے اندھے مقلد ہیں لاکھوں ہیں جو میرے لئے سرگرمی
سے کام کرتے ہیں لیکن ہندوستان کے طول و عرض میں مسلم لیگیوں میں صرف اور صرف
راغب احسن ہیں جو اسلام اور پاکستان کے اصولوں کی محبت میں مجھ پر بے باکی کے ساتھ
تنقید کی جرات کرتے ہیں پاکستان کے نصب العین کی خاطر وہ مجھ پر سخت ترین گرفت
کرنے سے بھی نہیں چوکتے وہ مجھ کو چاہتے ہیں لیکن مجھ سے زیادہ اسلام اور پاکستان کو
چاہتے ہیں راغب احسن لیگ اور تحریک پاکستان کے زندہ ضمیر ہیں راغب احسن
پر مجھ کو فخر ہے۔

مولوی شفیع داؤدی مرحوم۔ ایڈووکیٹ مظفر پور، بہار، آل انڈیا مسلم

کانفرنس کے سکریٹری جنرل اور مرکزی خلافت کمیٹی بمبئی کے صدر نے راغب احسن کے متعلق فرمایا "آل انڈیا مسلم کانفرنس اور تحفظ حقوق مسلمین کے لیے راغب احسن کی اعلیٰ خدمات پر اپنے جذبات تشکر کو ریکارڈ میں لانا اور قلم بند کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں مجھے یقین ہے کہ یہ بلند نگاہ اور روح عظیم رکھنے والا نوجوان نسل جدید کا محمد علی ہے میرا پختہ خیال ہے کہ یہ نسل جدید کا محمد علی دور جدید کے ترقی پرور طاقتوں کو اسلامیان ہند کی خدمت کے لیے منظم و متحد و مجتمع کرنے کے قابل ہوں گے۔"

عہد حاضر کا فیلسوف علامہ ڈاکٹر سید ظفر الحسن صدر شعبہ فلسفہ علیگڑھ مسلم یونیورسٹی صدر مجلس اسلامیات علی گڑھ، مصنف علیگڑھ اسکیم آف پاکستان نے راغب کے متعلق اپنے دلی تاثر کا اظہار مندرجہ ذیل الفاظ میں کیا۔

"راغب احسن سیف الملت ہیں وہ صاحب ایمان و عمل ہیں وہ ملت اسلامیہ کے لیے سراپا جہاد ہیں ان کی نظر تیز، ارادہ پکا اور ضرب کاری ہے۔"

عبد الرحمٰن صدیقی نے فرمایا "راغب احسن ہندوستان میں اسلام کی زندہ تحریک ہیں۔"

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی نے راغب کو سیف الملت کے لقب سے یاد کیا۔ مسٹر حسین شہید سہروردی وزیر اعظم متحدہ بنگال راغب کو اپنا فلسفی تسلیم کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے "میں تو راغب احسن کا بندہ ہوں وہ جو حکم دیں گے میں کروں گا جس طرح ارسطو نے سکندر اعظم کی تعمیر و تربیت میں حصہ لیا تھا اسی طرح راغب نے شہید سہروردی کی شخصیت کو آسمان شہرت کا تابندہ ستارہ بنانے کے لیے تن من دھن کی بازی لگادی تھی سہروردی کی عظمت و جرأت اور سیاسی بصیرت نظم و ضبط تدبر اور سیاست راغب کے اشاروں کی محتاج تھیں سہروردی

جب کبھی راغب کو اپنے پاس بلاتے تھے تو کہا کرتے تھے کہ حضرت علامہ کو اطلاع دو۔

حکیم الملت علامہ اقبال کی نظر میں راغب احسن کا مقام کیا تھا ان کے خطوط
سے ظاہر ہوتا ہے ملاحظہ کیجئے۔

ڈیئر راغب صاحب السلام علیکم۔ دنیا تعمیر جدید کی طرف جا رہی ہے جمہوریت فنا
ہو رہی ہے سرمایہ داری کے خلاف جہاد جاری ہے کمیونزم مذہب بھی [illegible]
ان حالات میں دنیا کی تعمیر جدید میں اسلام کون سا پارٹ ادا کر سکتا ہے؟ مہربانی کر کے مجھے
اس موضوع پر اپنے خیالات تحریر فرمائیں۔

مخلص محمد اقبال ۱۵ جنوری ۱۹[illegible]ء

دوسرا خط بھی ملاحظہ کیجئے۔

مجھ کو آپ کے خیالات سے پورا اتفاق ہے میں آپ سے دلی ہمدردی رکھتا ہوں
اصل چیز علم نہیں بصیرت ہے اور وہ عطیۂ ربانی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بصیرت
کا وافر حصہ عطا فرمایا ہے۔

مخلص محمد اقبال ۲ جولائی ۱۹۳۳ء

مولانا کا آبائی وطن موضع [illegible] ضلع گیا صوبہ بہار تھا وہ ایک غریب گھرانے
میں پیدا ہوئے ان کے والد مولوی ریاض الدین احمد کلکتہ میں محکمہ ڈاک میں ملازم
تھے وہ بڑے متقی پرہیزگار تھے ان کے تین بیٹے تھے جنہیں تعلیم دلانے کا بہت
شوق رکھتے تھے انہوں نے اپنے بڑے بیٹے راغب احسن کو [illegible] کا فیصلہ
کر لیا کہ اعلیٰ تعلیم کے مواقع بہم پہنچائیں گے اسی لئے راغب نے ایم اے کی متعدد
ڈگریاں حاصل کیں اور گوناگوں صلاحیتوں کے مالک بن گئے مولانا محمد علی جوہر
کی صحبت نے ان میں ایسا زور قلم پیدا کر دیا کہ محمد علی کے بعد سارا ہندوستان راغب
کو محمد علی ثانی کہنے لگا۔

راغب محمد علی جوہر کی جوہریت کے شکار تھے اسی لئے کامریڈ کے اعزازی مدیر بھی مقرر ہوئے جس کی عظمت کا ڈنکا چاردانگ عالم میں بج رہا تھا جوہر کی معیت انہیں تحریک خلافت میں کشاں کشاں لے آئی ان کی سچائی، دانائی، قابلیت لگن اور خلوص نے انہیں کلکتہ خلافت کمیٹی کا ممبر بنا دیا جو ایک نوجوان کے لئے قابل رشک اعجاز تھا ان کے ہم عمر دوست سید محمد عثمان بھی راغب کی محبت میں خلافت تحریک سے وابستہ ہوئے دونوں خلافت تحریک کے سلسلے میں ۱۹۲۰-۲۱ء میں گرفتار ہوئے اور علی پور جیل بھیج دیئے گئے جہاں ابوالکلام آزاد اور سی، آر داس جیسے بین الاقوامی شہرت کے حامل رہبران قوم موجود تھے۔

عہد نامہ

علی پور جیل ہی میں سید محمد عثمان اور مولانا راغب احسن نے سراپا ایثار اور خلوص کی مثال قائم کرنے کے لئے عہد کیا کہ ہم اعلیٰ تعلیم حاصل کریں گے مگر تادم زیست انگریز کی چاکری نہیں کریں گے اپنی صلاحیتوں کو ملک و قوم کے لئے وقف کر دیں گے جیل خانے میں کون عہد کر سکتا تھا! وہ جو جرأت و ہمت کا شاہکار ہو تعلیم کے زیور سے آراستگی کے بغیر قوم و ملک کی خدمت ممکن ہی نہیں کیسا عہد نامہ تھا! آنے والی نسل کے لئے شمع ہدایت قوم کے نوجوانوں کو علم کا شائق بنانے کا عملی درس دونوں حضرات نے علم کی بڑی بڑی ڈگریاں حاصل کیں اپنے دل و دماغ سے اپنے علم و حکمت سے اپنی استعداد اور صلاحیتوں سے ملک و قوم کو فیض پہنچایا اس کا نام روشن کیا اس کو صحیح ڈگر پر لے چلے لیکن ملک و قوم سے کبھی کوئی منفعت حاصل نہیں کیا۔

راغب کا علمی سرمایہ

راغب کے وسیع اور عمیق مطالعہ کے سلسلے میں ایک واقعہ شہرت پا چکا ہے مولانا شاہ سلیمان صاحب پھلواروی رحمتہ اللہ علیہ برصغیر کے مشہور و معروف

عالم دین اور پیشوا ایک دفعہ جب کلکتہ تشریف لائے تو ان کی ایک مجلس میں راغب احسن اپنے
چند خلافتی رفقاء کے ہمراہ شریک ہوئے اسلام اور دیگر مذاہب و عقائد کی بات چل نکلی
راغب احسن نے کہا میں نے امپیریل لائبریری کلکتہ کی کوئی کتاب ایسی باقی نہیں رہنے دی
جسے نہ پڑھا ہو میں اپنے تمام تر تحقیقی مطالعہ کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ فقط اسلام
ایک ایسا مذہب ہے جس کے ذریعہ انسان کی فلاح ممکن ہے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ
علیہ نے یہ کلمات سن کر راغب کو گلے سے لگا لیا ان کے منہ پر بوسہ دیا اور فرمایا کہ
ایک انگریزی تعلیم یافتہ نوجوان کی زبانی یہ کلمات سن کر مجھے اتنی روحانی خوشی اور
مسرت حاصل ہوئی کہ میں اس کو بیان نہیں کر سکتا۔

راغب احسن ایک بہت ہی محنتی شخصیت تھی ان کے شب و روز مطالعہ و مقالہ
نویسی اور صحیفہ نگاری میں بسر ہوتے تھے انہوں نے دنیا کے مختلف ممالک کے ساتھ
ان کے سیاسی فلسفیانہ نظام معیشت کا عمیق مطالعہ کیا تھا ان کا حافظہ بہت ہی تیز
تھا جس کی تعریف حسین شہید سہروردی کیا کرتے تھے اہل علم و دانش کے مجمع
میں جب گفتگو کرتے تو حاضرین ان کے تبحر علمی اور سیاسی بصیرت سے انگشت بدنداں
ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ نوائے وقت اور اسٹار آف انڈیا کی بھی ادارت فرمائی تھی
ان کے قلم سے ہندوستان کے بہت سے اخباروں اور رسالوں نے فیض اٹھایا اگر
ان کے سارے مضامین کو کتابی شکل دے دی جائے تو ہندوستان کی جنگ آزادی
کی مکمل تاریخ مرتب ہو جائے گی۔

مولانا محمد علی جوہر کی ہم رکابی کے باوجود راغب کی بصیرت متقاضی تھی
کہ مسلمانوں کو کانگریس کے مضر اثرات سے آزاد رکھا جائے اسی لئے وہ ہمیشہ
جداگانہ انتخابات کے ہمنوا رہے سر فضل حسین (پنجاب) سر شفاعت احمد خان (یوپی)
کی سیاسی صلاحیتوں کے معترف تھے لیکن ان کی ہمدمی میں طلب اللسان سر فضل حسین جو

لیجسلیٹو کونسل کے ممبر تھے اس جواں سال مجاہد کو شملہ لے گئے اور جداگانہ انتخاب کی اہمیت پر انگریزی زبان میں بہت سے کتابچے تحریر کرایا اور سیلز ایجنسی لٹریچر برطانوی پارلیمنٹ کے ممبران کو ارسال کیا۔ جداگانہ حق نیابت کا یہی وہ لٹریچر تھا جس نے مسلمانوں کی علیحدہ قومیت کی تعمیر میں حصہ لیا۔ یہ بہار کے ایک نوجوان کا طرز تحریر تھا جس نے برطانوی قوم کی ذہنیت کو منقلب کر دیا ورنہ وہ قوم جس نے ہندوستان کی سیاست کی بنیاد ہی ہندوستانی قومیت پر رکھی تھی اور سنہ ۱۸۸۲ء میں مخلوط انتخاب کے ذریعے بلدیاتی انتخاب کی ابتدا کی تھی وہ جداگانہ انتخاب کو کس طرح قبول کر سکتی تھی! ۱۸ اپریل سنہ ۱۹۳۳ء کے خط میں علامہ اقبال نے راغب کے متعلق لکھا اور پیش گوئی کی کہ۔

"مولانا راغب احسن کی قابلیت و صلاحیت کی تصدیق کرتے ہوئے مجھے بے حد مسرت ہوئی ہے یہ ان گنتی کے چند قابل ترین اور انتہائی ہونہار نوجوانوں میں سے ہیں جن سے مجھے ملنے کا موقع ملا ہے۔ مجھے یقین کامل ہے کہ وہ اسلام اور ہندوستان کے لئے ایک قیمتی سرمایہ ثابت ہوں گے۔"

اقبال کا قیمتی سرمایہ

راغب کو اقبال نے ہندوستان اور اسلام کا قیمتی سرمایہ قرار دیا۔ ان کی شخصیت کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ اس سرزمین کے تقاضوں کو سمجھا جائے اس کے ماحول پر نظر ڈالی جائے اس کے معاشی اور سیاسی تانے بانے سے آگاہی حاصل کی جائے جہاں راغب پیدا ہوئے اور جہاں پروان چڑھے سرزمین نظامت بنگالہ مسلمانوں کے دور حکومت میں برصغیر پاک و ہند کا سب سے بڑا صوبہ تھا جس میں چار صوبے مدغم تھے۔ بنگال بہار اڑیسہ اور آسام انگریزوں کے دور حکومت میں ایک عرصہ دراز تک اس عظیم صوبے کی یہی ہیئت کذائی قائم رہی لیکن رفتہ رفتہ انگریزوں نے نظامت بنگالہ کو چار مختلف صوبوں میں تقسیم کر دیا۔

ہندوستان پر فتح حاصل کرنے کے لیے انگریزوں نے سب سے پہلے نظامت
بنگال ہی پر اپنا تسلط قائم کیا۔ غیر ملکی یلغار کے خلاف مقامی باشندوں نے دست بدست
جنگیں کیں اور دشمنوں سے دانت کھٹے کر دیئے اسی لیے انگریزوں نے نظامت بنگال
کے مسلمان جاگیرداروں اور زمینداروں کی قوت کو بنیادی طور پر کمزور کر دینے کی
ٹھانی تاکہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی مخالفت مقامی آبادی میں سرد پڑ جائے۔ لہذا لارڈ کار
نوالس نے ۱۷۹۲ء ہی میں دوامی بندوبست کا قانون نافذ کر دیا جب اس
قانون کا نفاذ یو پی کے تین ضلعوں میں ہو رہا تھا تو انگلستان کی پارلیمنٹ نے ایک
دوسرے قانون کے ذریعے دوامی بندوبست کے قانون کے نفاذ کو عملی جامہ
پہنانے سے روک دیا۔ اس لیے سارے ہندوستان میں دوامی بندوبست کا
قانون نافذ نہیں ہو سکا اس قانون سے جو مقامی آبادی کو منفعت حاصل ہوئی اس
سے نظامت بنگالہ کے علاوہ سارا ہندوستان محروم رہا اسی قانون نے نظامت بنگالہ
میں متوسط طبقے (Middle class) کے لوگوں کی پیدائش کو ممکن بنا دیا لیکن
سارے ہندوستان میں جاگیرداروں اور زمینداروں کا بول بالا رہا صرف نظامت بنگالہ
میں متوسط طبقے کی گرفت میں سیاست اور امارت کی باگ ڈور آئی سارے ہندوستان
میں وڈیرے اور جاگیردار سیاست کے میدان میں دندناتے پھرے۔ نظامت بنگالہ
میں جمہوریت کے جو نقش و نگار موجود ہیں پاکستان میں جمہوریت کی وہ شکل و
صورت نہیں۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان کے
درمیان سال ۱۹۷۱ء کی جنگ حقیقت میں متوسط طبقے اور وڈیروں کے درمیان
جنگ تھی۔ جسے متوسط طبقے نے جیت لی اور وڈیروں کو شکست فاش نصیب
ہوئی۔

دوامی بندوبست کا قانون: Permanent Settlement

اس قانون کے نفاذ سے قبل برطانوی سامراج نے جاگیرداروں اور بٹائی داروں کا سروے (SURVEY) کرایا ان کے ناموں کے اندراجات جب سروے رجسٹر میں مکمل ہو گئے تو ۱۷۹۳ء میں بٹائی داروں یعنی باریوں کو دوامی حقوق مزارعیت (Permanent Right of Tenancy) تفویض کر دیئے گئے اس قانونی حق کو حاصل کر لینے کے بعد مزارع یعنی بٹائی دار کو زمیندار اس زمین سے کسی حال میں بے دخل کر دینے کا مجاز نہیں ٹھہرا جس زمین کا مالک تو زمیندار تسلیم کیا جاتا تھا لیکن اس کی کاشت بٹائی دار کرتا تھا اس قانون نے بٹائی دار کو بھی زمین کا ایک طرح سے مالک تسلیم کر لیا اس لئے کہ اس کا انخلا ناممکن بنا دیا گیا۔ ایک ہی اراضی کے اب دو مالک ہو گئے ایک بٹائی دار دوسرا زمیندار، نظامت بنگالہ میں اس قانون نے باریوں کی زندگی کو منقلب کر دیا۔

بٹائی دار معاشی اعتبار سے زمیندار کے مساوی ہو گیا۔ اس کی معاشی حالت بہت زیادہ مستحکم ہو گئی وہ زمیندار کے رحم و کرم پر زندگی بسر کرنے سے مامون ہو گیا۔ یہی بٹائی دار کا طبقہ متوسط طبقے (MIDDLE CLASS) کی جگہ لینے میں کامیاب ہوا۔ اسی لئے نظامت بنگالہ میں عوام کی جماعت سے رہنما پیدا ہوئے سیاسی، معاشرتی اور ادبی تحریکوں کی رہنمائی متوسط طبقے کے ہاتھوں میں آگئی نظامت بنگالہ کی سماجی زندگی کا معیار اور ہندوستان کے دوسرے صوبوں کی معاشرتی زندگی کا پیمانہ دونوں ایک سطح پر نظر نہیں آتے جب کانگریس ۱۹۳۹ء میں صوبوں کی وزارتوں سے مستعفی ہو گئی اور مسلمانوں کی مختلف جماعتوں نے مختلف صوبوں میں وزارتیں قائم کیں تو یہ بات کھل کر سامنے آئی کہ کس طبقے کے لوگ وزیر اعلیٰ کے عہدوں پر فائز ہوئے ان شخصیتوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ کس ماحول کی پیداوار [illegible] رجحانات نے

کس طرح ان کی پرورش کی جنہوں نے ایسی شخصیتوں کو صوبوں کے اعلیٰ عہدوں پر فائز کر دیا۔

یہ کوئی حیرت کی بات نہیں کہ آسام، بنگال اور بہار میں عوام کی صفوں سے افراد ابھرے اور وزیر اعلیٰ کے عہدوں پر فائز ہوئے جبکہ ہندوستان کے دوسرے صوبوں میں مسلمان جاگیرداروں اور وڈیروں نے وزیر اعلیٰ کے عہدے کو سنبھالا۔ ان دونوں مختلف صوبوں میں جن مسلمان شخصیتوں نے وزیر اعلیٰ کا عہدہ حاصل کیا ان کے نام حسب ذیل ہیں:

نمبر	صوبہ	نام	کیفیت
۱	آسام	سر سعد اللہ	یہ سب متوسط طبقے کے افراد تھے اور اعلیٰ تعلیمات سے مزین۔
۲	بنگال	اے کے فضل الحق	
۳	بہار	مسٹر یونس	
۴	یوپی	نواب صاحب چھتاری	یہ سارے وڈیرے اور جاگیردار تھے اور تعلیمی صلاحیت میں نظامت بنگالہ کے افراد سے بہت کم درجہ
۵	پنجاب	سر سکندر حیات خان	
۶	سرحد	ڈاکٹر خان صاحب	
۷	سندھ	اللہ بخش سومرو	
۸	بلوچستان	عبدالصمد اچکزئی	

مذکورہ بالا شخصیتوں کی معاشی اور معاشرتی حالات کے مطالعہ سے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ دوامی بندوبست کے قانون نے کس طرح معاشی زندگی میں کیسا انقلاب پیدا کر دیا اور متوسط طبقے کو میدان کارزار میں آگے بڑھانے کے مواقع کو کس طرح ہموار کیا لیکن جہاں جاگیرداری نظام غالب تھا وہاں عوامی شخصیتوں کا ابھرنا دشوار تھا۔ آج بھی ان علاقوں میں

عوام الناس سے کے حالات سازگار نہیں ہیں۔ صوبہ یوپی اور بہار ہی کو دیکھ لیجئے یوپی میں جو مقام نواب اسمٰعیل اور راجہ صاحب محمود آباد کو حاصل ہوا مولانا حسرت موہانی اور مولانا آزاد سبحانی کو کبھی حاصل نہیں ہو سکا۔ لیکن بہار میں جس مقام کو مولانا سجاد نائب امیر شریعت بہار نے حاصل کیا کسی نواب یا راجہ کو وہ مقام نصیب نہیں ہو سکا جاگیردارانہ اور غیر جاگیردارانہ ماحول میں یہی فرق ہر جگہ موجود ہے۔

پاکستان میں خانوں، چودھریوں، سرداروں اور جاگیرداروں کے پاس آج ۱۹۸۴ء میں اپنے ذاتی جیل خانے موجود ہیں جن میں باریوں کو ڈال دیتے ہیں۔ جہاں ان غریبوں کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا آج بھی اراضیات میں باریوں کا کوئی حق تسلیم نہیں کیا جاتا۔ زمیندار باری کو ہمہ وقت زمین سے بے دخل کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ اسی لئے اس کی عزت و آبرو بھی زمینداروں کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ جس سے وہ کھیلتا رہتا ہے۔ نظامت بنگالہ میں ایسے جیل خانوں کا نام و نشان کبھی موجود نہیں تھا۔ باریوں یا بٹائی داروں کے حقوق کے تحفظ کے لئے مسلسل بہار مزارعیت ایکٹ (BIHAR TENANCY ACT) اور بنگال مزارعیت ایکٹ (BANGAL TENANCY ACT) میں اضافہ ہوتا رہا ہے بٹائی داروں کو زیادہ سے زیادہ قانونی حقوق حاصل ہوتے رہے وہاں زمین کاشت کرنے والوں کا حق زمین پر تسلیم کر لیا گیا تھا آزادی کے بعد بھارت میں زمینداری اور جاگیرداری کی بساط لپیٹ دی گئی۔ لیکن پاکستان میں نہ تو ایسا قانون موجود ہے اور نہ جاگیردار ایسا قانون منضبط کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔

ہندوستان کے اردو اور فارسی ادب میں مقامی رجحانات موجود ہیں۔ نظامت بنگالہ میں پروان چڑھنے والے ادب میں جاگیردارانہ تقاضوں سے

بغاوت کی عنصر بڑی نمایاں ہے لیکن جاگیردارانہ ماحول کے ادب میں تملق، خوشامد
تعلی، جھوٹ، عریانیت اور سرمایہ داریت کے تقاضے پھیلے ہوئے ہیں نظامت
بنگالہ کے ادب میں زندگی جد وجہد عیش دطرب سے گریز عریانیت سے
بغاوت اور سرمایہ داریت سے جنگ نظر آتی ہے۔ نظامت بنگالہ کے عظیم
شاعر مرزا عبدالقادر بیدل عظیم آبادی کو مثنوی کا تاجدار تسلیم کیا جاتا ہے
انہوں نے خوشامد کو بلیت قرار دیا ہے ان کے یہاں غزل میں توازن ہے
اور عریانیت سے نفرت لیکن یوپی، لکھنؤ، دلی، اور پنجاب کے شعراء نے
قصیدہ اور مرثیہ کو پروان چڑھایا جو خوشامد کے علاوہ کچھ نہیں ایک پول کے
دو رخ ہیں اگر کسی نے مسکرا کے خوشامد کی تو وہ قصیدہ قرار پایا گیا اور کسی نے
رو کر خوشامد کی تو وہ مرثیہ ہو گیا اسی لئے یوپی، لکھنؤ، دلی، اور پنجاب کی سرزمین
تعلی اور خوشامد کی پیدائش کے لئے معروف ہوئی لیکن نظامت بنگالہ کی سرزمین
آزادی، خودداری، حریت اور عمل مسلسل کے لئے مشہور ہے۔

مغربی پاکستان میں آج بھی وڈیرا شاہی ہے میر اور پیر کی حکمرانی ہے خان
چودھری، سردار اور وڈیرا کی سیاست گری ہے۔ ایسے ماحول میں مارشل لاء
کی ہمیشہ ضرورت محسوس ہوتی رہے گی۔ میر اور پیر انصاف پر مبنی حکومت قائم
کبھی نہیں کر سکتے۔ خان، سردار، چودھری اور وڈیرا مراعات کے عادی ہو گئے ہیں
جب وہ حکومت کی باگ ڈور ہاتھ میں لیتے ہیں تو مراعات یافتہ طبقے کی ہم نوائی
کرتے ہیں مقامی فوج میں بھی مراعات یافتہ طبقے کے افراد موجود ہیں اسی
لئے دونوں طبقوں میں رسہ کشی ہوتی رہے گی جب تک طبقاتی کشمکش
کو ناپید نہیں کیا جائے گا، اقلیات کی تنظیم نو نہیں ہوگی ہاری اور دہقانی
طبقے کے حقوق کے تحفظ کی ضمانت نہیں دی جائے گی، اس وقت تک

وڈیروں، زمینداروں، جاگیرداروں، خانوں، سرداروں، اور چودھریوں کی حکومت قائم رہے گی ایسے ماحول میں نہ جمہوریت پھول پھل سکتی ہے اور نہ اسلام پروان چڑھ سکتا ہے بلکہ ہمیشہ مارشل لا لگتا رہے گا۔

راغب احسن نظامت بنگالہ کی سرزمین میں پیدا ہوئے وہیں پروان چڑھے اسی مقام سے ابھر کر عالم اسلام کی ایک عظیم شخصیت بن گئے ان کی فکر و نظر اور بصیرت میں مقامی رجحانات کا پایا جانا تعجب خیز نہیں جس کی تعریف اقبال جیسے فلسفی نے اپنے خطوط میں کیا ان کے افکار و نظریات کو اپنے لئے شمع ہدایت تسلیم کیا۔ راغب احسن نوجوان مجاہد کی زندگی اقبال سمیت لئے قابل رشک تھی اس لئے کہ سوجھ بوجھ میں وہ بڑے سے بڑے مفکر کو بھی راہ ہدایت دکھلا دیا کرتے تھے۔

ہندوستان کی تاریخ میں سب سے زیادہ جس مسئلے کو ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان متنازع فیہ تسلیم کیا گیا ہے وہ طرز انتخاب کا مسئلہ تھا جس کا تذکرہ آنریبل سید حسین امام نے اپنی خود نوشت سرگزشت میں کیا ہے۔ ہندوستان کے بڑے بڑے مسلمان رہنما۔ مثلاً حکیم اجمل خاں، سر علی امام، حسن امام، مظہر الحق مسٹر جناح، علمائے فرنگی محل، حسرت موہانی، ڈاکٹر انصاری، ظفر علی خان، چودھری خلیق الزماں، مولانا شوکت علی اور مولانا محمد علی جوہر وغیرہ کانگریس کے ہمنوا تھے اور متحدہ طرز انتخابات کو قابل اعتنا سمجھتے۔ لیکن مسلم کانفرنس سے اراکین و ممبران ہمیشہ جداگانہ انتخاب کے حامی رہے۔ مثلاً سر محمد شفیع شفیع داؤدی، سر محمد اقبال اور علامہ راغب احسن وغیرہ اس ضمن میں راغب منفرد تھے۔ علامہ کا کارنامہ اس سلسلے میں بے مثال اور لافانی ہے ان سے زور تحریر نے جداگانہ انتخاب پر بہت سارا ادب پیدا کیا انہوں نے اس سلسلے

مجلہ بہت سے کتابچے شائع کیے جس نے فکر و نظر کی آبیاری کی یہ دور مولانا کی جوانی کا دور تھا جداگانہ انتخاب پر جس قدر تحریر راغب کی ہے کسی اور کی نہیں ان کی سیاست میں استحکام تھا ان کا نام نظریات کے تبدیل کرنے والوں میں نہیں لیا جا سکتا۔

۱۹۳۵ء انڈیا ایکٹ (1935 INDIA Act) کے نفاذ کے وقت ہندوستان کے مسلمان زعماء فکر مند تھے اس لئے کہ ان کے بیشتر تجربہ کار سیاست دان دنیا سے رخصت ہو چکے تھے ایک مسٹر جناح رہ گئے تھے جو اس وقت انگلستان میں مقیم تھے انہیں ہندوستان لانے کی کوشش کی جا رہی تھی تاکہ انڈیا ایکٹ کے نفاذ کے سلسلے میں ان سے مدد حاصل کی جا سکے۔ لیکن جوان راغب احسن کا ضمیر اتنا روشن اور شعور اس قدر بیدار تھا کہ انہوں نے ۱۹۳۵ء ہی میں آل انڈیا مسلم لیگ کی کانفرنس کلکتہ کی سرزمین میں منعقد کی جس کی صدارت مولانا ظفر علی خان نے فرمائی۔ خطبہ استقبالیہ کی صدارت کے فرائض راغب احسن نے انجام دیا انہوں نے مسلمانان ہندوستان کو آل انڈیا مسلم لیگ کے جھنڈے کے نیچے منظم ہونے کے لئے للکارا۔ علامہ راغب احسن نے کلکتہ کی سرزمین میں کھڑے ہو کر مسلمانان برصغیر پاک و ہند کو متنبہ کیا کہ جب تک وہ آل انڈیا مسلم لیگ کے پرچم تلے منظم نہیں ہو جائیں گے اس وقت تک ہندوستان کی سرزمین میں بدلتی ہوئی سیاسی حالات کا مقابلہ ممکن نہیں۔

یہ تنہا راغب احسن کی شخصیت تھی جس نے مسلمانان ہندوستان کی رہبری کے لئے وہ چراغ روشن کیا جس کی روشنی میں سالار کارواں کارواں کے ساتھ رواں دواں ہوا۔ کلکتہ مسلم لیگ کانفرنس ہی نے مسلمانان ہند کی سیاسی گتھیوں کو سلجھانے کے لئے پہل کیا۔ اس حقیقت سے آج انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ کلکتہ

مسلم لیگ کانفرنس ہی نے ہندوستان کے طول و عرض میں سیاسی بیداری لا کر
دور دور کے مسلمانان ہند کو خواب غفلت سے جگایا۔ مسٹر محمد علی جناح جب انگلستان
سے ہندوستان تشریف لائے تو انہوں نے راغب کے روشن کیے ہوئے چراغ سے
اپنا چراغ روشن کیا۔ وہ عمر رسیدہ تھے اور قانون دان بھی اس کے بعد راغب نے
اپنی چھوٹی سی بساط سیاست کی تنظیم ان کے حوالے کر دی۔ انہیں سیاست
کے اس چمن زار میں لا بٹھایا جس کے گل بوٹوں کو کھلانے اور آراستہ کرنے میں
راغب ہی نے اپنا خون پسینہ ایک کیا تھا۔

راغب کی شخصیت کی اہمیت کا اندازہ اس واقعے سے لگایا جا سکتا ہے۔ کہ
۱۹۳۵ء میں جب مسٹر جناح ہندوستان تشریف لائے تو دلی کی سرزمین میں تین
اہم سیاسی شخصیتوں کا اجتماع ہوا ایک کمرے میں گھنٹوں باتیں ہوئیں حالات
حاضرہ پر بھی ملت کی حفاظت پر اور مسلمانوں کے حالات زار پر تاریخ کے طلبہ
اور مستقبل کے مورخین کو حق ہے کہ ان تاریخی شخصیتوں کے نام نوک زبان رکھنا چاہیے
جنہوں نے ہندوستان کی تاریخ کا رخ بدل دیا۔ ان میں ایک فلسفی اور شاعر تھا دوسرا
عظیم صحافی انگریزی اور اردو کا صاحب طرز ادیب فکر و نظر کا گہوارہ تیسرا ایماندار
اور بیدار مغز وکیل وقت نے ان کا نام اقبال، راغب اور جناح رکھا تھا
اسی جلسے میں علامہ اقبال نے راغب احسن سے درخواست کی تھی کہ وہ مسٹر
جناح کا ہاتھ مضبوط کریں اپنی سیاسی بساط جناح کے سپرد کر دیں۔ راغب نے
علامہ اقبال کی سفارشوں کو قابل اعتنا سمجھا مسلم لیگ کی تنظیم میں دامے درمے
قدمے سخنے حصہ لیا اس کو ہندوستان کی نہایت عظیم الشان اور مستحکم تنظیم بنا دیا۔

بنگال کی آواز ۱۔ ([illegible] Man of Bengal) قائد اعظم محمد علی
جناح کو راغب احسن پر نہ صرف کامل بھروسہ تھا بلکہ اس قدر اعتماد تھا کہ انہیں

بنگال کی سیاسیات کی آواز تسلیم کر رہا تھا۔ راغب کی اصابتِ رائے کی دھوم تھی اس
لئے اسے حرفِ آخر کا درجہ حاصل تھا۔ سنہ ۱۹۴۲ء ہی میں پاکستان کی سرحدی
نقش گری کی ابتدا ہوئی دنیا میں ابھرنے والی اسلامی مملکت کا نقشہ مسلم لیگ
ہائی کمان اپنی نظر میں رکھنا چاہتی تھی یہ فرض بھی مسٹر محمد علی جناح نے علامہ
راغب احسن ہی کو تفویض کیا کہ وہ پاکستان کا ایک نقشہ بنا کر ان علاقوں کی
نشاندہی کریں جنہیں اصولاً پاکستان میں شامل ہونا چاہیے اس سلسلے میں
مسلمانوں کی آبادی کا چارٹ اور علاقوں کے نقشوں کو بھی طلب کیا تھا۔ راغب
احسن نے محنت شاقہ اور بڑی جانفشانی کے بعد اپنی رپورٹ مرتب کی اور
قائد اعظم کو ارسال کر دیا۔ انہوں نے اپنے ۱۹ر اکتوبر سنہ ۱۹۴۲ء کے خط بنام راغب
میں جس کا شکریہ ادا کیا۔ اسی زمانے میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میگزین پاکستان نمبر میں
علامہ راغب کی یہ رپورٹ شائع ہوئی۔

علامہ راغب احسن کی عظمت، ذہنِ رسا، فہم و فراست اور ذہنی بالیدگی،
کا اندازہ اس حقیقت سے بھی ہوتا ہے کہ مولانا محمد علی جوہر کے جتنے چہیتے تھے
اتنا ہی قائد اعظم محمد علی جناح کے بھی پیارے تھے حالانکہ محمد علی جناح اور محمد علی
جوہر میں اصولی طور پر سیاسی اختلافات تو تھے سب دونوں کے دل و دماغ میں بعد
المشرقین تھا۔ ایک صرف قانون کی ڈگر پر چلتا تھا تو دوسرا جنگ و جہاد کے لئے
بھی تیار رہتا تھا۔ ایک جوشِ جہاد کا رسیا تھا تو دوسرا منطق اور قانون کی ٹھنڈک۔
مولانا محمد علی جوہر کی وجہ سے (Non-Cooperation-Movement) تحریک ترک
موالات کی ابتدا ہوئی اور برصغیر پاک و ہند سول نافرمانی کی تحریک کی زد میں آ
گیا۔ برطانوی حکومت کو تارے نظر آنے لگے لیکن مسٹر جناح نے ہمیشہ ایسی
تحریکوں کی مخالفت کی جس سے لاقانونیت کو شہ مل سکتی تھی۔

آل انڈیا مسلم یوتھ لیگ

علامہ راغب احسن نے بمقام کلکتہ ۱۹۳۱ء میں آل انڈیا مسلم یوتھ لیگ کی بنیاد ڈالی پہلے اجلاس کے انعقاد کی صدارت کی دعوت علامہ اقبال کو دی لیکن چند وجوہات کی بنا پر وہ حاضر نہ ہو سکے تو سر شفاعت احمد خان کو الہ آباد سے طلب کر کے صدارت کا شرف انہیں پیش کیا اسی موقع پر علامہ نے اپنا مشہور و معروف خطبہ بنام میثاق فکر اسلامیات اور استقلال ملت پیش کیا یہ میثاق نوجوانان ملت سے لیے ایک انقلابی طرز فکر و عمل کی دعوت تھی مسلمانوں کی علیحدہ قومیت اور ملت کی بنیادوں کو استوار کرنے کی دعوت راغب نے اسی پلیٹ فارم سے کانگریس کے متحدہ قومیت کے پر فریب نظریے کی دھجیاں اڑا دیں اور ثابت کیا کہ ہندوستان میں دو قومیں آباد ہیں ایک مسلمان دوسرا ہندو۔ ان دونوں کی تہذیب و تمدن میں اشتراک نہیں بلکہ مغائرت ہے مسلمانوں کو کانگریس کے چنگل سے آزاد کرانے کے لیے یہ ایک ایسی پیش رفت تھی جس کا جواب ممکن نہیں جب کہ مسلمان رہبران قوم اور ان کے علماء کی بڑی تعداد کانگریس کے جال میں گرفتار ہو چکی تھی راغب کا یہی وہ شاندار کارنامہ تھا جس نے مسلم لیگ کے احیاء کے لئے زمین ہموار کر دی اس جماعت نے مسلم لیگ کی پالیسی کو کامیاب بنانے کے لئے ہراول دستے کا فرض انجام دیا۔ علامہ راغب احسن مسلم نوجوانان ہندوستان کو اس دور میں منظم کر رہے تھے اور کانگریس کی فریب کاریوں سے محفوظ رکھنے کے لئے ان کے شعور کو بیدار کر رہے تھے جب مسٹر جناح نے ہندوستان کی سیاسیات سے دل برداشتہ ہو کر وطن کو خیر آباد کہہ دیا اور لندن کی طرف مراجعت کر گئے وہ ہندوستان کی غیر معقول اور فساد انگیز

سیاست سے گھبرا کر لندن چلے گئے اور وہیں بود و باش اختیار کر لی لیکن راغب قوم و ملت کا رہنما مرد میدان تھا وہ شکست قبول نہیں کر سکتا تھا اسی لئے اس نے تن من دھن کی بازی لگا دی تاکہ ہندوستان کی سیاست کا رخ پھیر دیا جائے رام راج کے قیام کے تصور کو اور گاندھی ازم کی فساد انگیزیوں کا پردہ چاک کر کے دریا برد کر دیا جائے آخر کار ان کی سعی مسلسل کامیاب و کامران ہوئی درویش صفت رہنما کو فتح نصیب ہوئی دنیا کی سب سے بڑی مسلم مملکت کا وجود تسلیم کر لیا گیا جس کے حصول کے لئے راغب نے اپنی ساری توانائی لگا دی تھی

بنگال مسلم لیگ کا قیام اور کلکتہ

علامہ راغب احسن نے ۱۹۳۶ء ہی میں مسلم لیگ کے احیا کی ابتدا کلکتہ مسلم لیگ کی بنیاد ڈال حسین شہید سہروردی کو اس کا صدر اور سید محمد عثمان کو جنرل سکریٹری مقرر کیا بنگال مسلم لیگ کا صدر خواجہ نظام الدین کو منتخب کیا۔ اور حسین شہید سہروردی کو جنرل سکریٹری۔ انہوں نے اپنے گرد کارکنوں کا ایک جم غفیر اکٹھا کر لیا تھا ان کی تقریر و تحریر نے مسلمانوں میں ایسا جوش و خروش اور عزم و ہمت پیدا کر دیا کہ وہ حصول پاکستان کے لئے سر دھڑ کی بازی لگانے کو ہمیشہ تیار رہتے تھے اپنی کارکردگی اور عقل و دانش سے وہ بنگال کی سیاست پر چھا گئے حقیقت میں برصغیر ہند و پاک میں بنگال کا صوبہ ہی عظیم اور مہتم بالشان تھا وہاں کی سیاسی سرگرمیاں ہندوستان کی سیاسیات کی روح تسلیم کی جاتی تھیں راغب اسی پر غالب تھے اسی لئے قائد اعظم راغب کو بنگال کا ذہنی اور فکری نمائندہ تسلیم کرتے تھے۔

۱۹۳۷ء میں جب کانگریس وزارتیں مستعفی ہو گئیں تو کلکتہ مسلم

لیگ نے یوم نجات Deliverance Day منانے کی تجویز منظور کی جو علامہ
راغب کی فکر کی پیداوار تھی مسٹر جناح نے جس کی پُرزور تائید کی سارے ہندوستان
کی مسلم لیگ شاخوں نے زور شور سے یوم نجات منایا جس کی وجہ سے کانگریس کی
اسلام دشمن ہندو ذہنیت ساری دنیا میں آشکارا ہوگئی ہندوستان کے ہندوؤں کو اور
خصوصیت کے ساتھ گاندھی جی کو مسلم لیگ کے یوم نجات منانے سے نہ صرف
صدمہ پہنچا بلکہ ان کے سیاسی تشخص کو سخت دھچکا لگا گاندھی جی تو تلملا اٹھے
تھے راغب کی تجویز "یوم نجات" ایک سیاسی معرکہ تھا جس میں مسلم لیگ
کو شاندار فتح حاصل ہوئی لیکن ہندوستان کے مایہ ناز رہنما جناب عبدالرحمٰن
صدیقی جن کا تعلق براہ راست سندھ سے تھا اس تجویز کی اہمیت کو نہیں سمجھ
سکے اور مسٹر جناح پر برملا تنقید کر دی جس کی وجہ سے انہیں آل انڈیا مسلم لیگ
کی ورکنگ کمیٹی کی ممبری سے ہاتھ دھونا پڑا جناب اصفہانی مرحوم نے جب
اس تجویز کی صدائے بازگشت سنی تو ان کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی وہ بدحواس
ہو گئے اور مسٹر جناح کو خط لکھا کہ آپ نے کس طرح اس غیر قانونی تجویز کی منظوری
دی اس دور میں بھی آل انڈیا مسلم لیگ میں ایسے اصحاب موجود تھے جن کے ذہن
کا اگر نفسیاتی تجزیہ کیا جائے فوراً پتہ چلے گا کہ کہاں راغب اور کہاں وہ لوگ۔

۱۶ اگست ۱۹۴۶ء آل انڈیا مسلم لیگ نے یوم راست اقدام منانے کا
فیصلہ کیا اس کی ترغیب بھی علامہ راغب احسن ہی کے سیاسی شعور کی
منت کش تھی انہوں نے یوم جہاد پاکستان کی ترکیب اختراع کی تھی۔

راست اقدام کا تصور راقم الحروف نے بھی اپنے کتابچے بنام ات پیپ
میں کیا تھا جو ۱۹[illegible]ء میں اشاعت پذیر ہوا جسے بہار مسلم اسٹوڈنٹس
فیڈریشن کے تمام ممبروں اور ہندوستان کے تمام زعماء میں تقسیم کیا گیا۔

اس کتابچے میں راقم الحروف نے واضح طور پر لکھ دیا تھا کہ بغیر راست اقدام ہندو مسلم
مسئلے کا حل غیر ممکن ہے اس کے علاوہ یہ پیش گوئی بھی کی گئی تھی کہ ہندو مسلم
قضیہ کا حتمی فیصلہ پانی پت کی چوتھی لڑائی کریگی۔

۱۹۴۶ء میں لارڈ ویول نے جب عارضی حکومت قائم کرنے کی سعی کی تو
مسلم لیگ کو نظر انداز کر دیا اس لئے راست اقدام منانے کی تجویز پیش ہوئی بمبئی کے
اجلاس میں مسلم لیگ نے مسلمانوں کے احتجاج کے اظہار کے لئے یوم راست اقدام
منانے کا فیصلہ کیا یوم جتنا زور و شور سے کلکتہ میں منایا گیا اس انداز سے ہندوستان
کے کسی دوسرے شہر میں نہیں منایا گیا۔ وہ موجودہ پاکستان میں جس طرح منایا گیا اس کا
ایک قصہ پیر علی محمد راشدی نے اپنے ایک مضمون میں بیان کیا ہے جسے پڑھ کر مقامی
مسلمانوں کی بے حسی اور ان کے زوال پذیر سیاسی شعور کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ متحدہ بنگال
کے وزیر اعلیٰ حسین شہید سہروردی نے ۱۶ اگست ۱۹۴۶ء کو راغب حسن کے
اشارے پر بکمال جرأت و دلیری سرکاری تعطیل قرار دے دیا جس کی وجہ سے
ہندو دنیا آپے سے باہر ہو گئی اور مسلمانوں کے اس پر امن احتجاج کے خلاف
شر و فساد برپا کرنے کی تیاری میں مصروف

مولانا راغب حسن نے بنگال مسلم لیگ کی تنظیم بکمال محنت و مشقت
کی تھی۔ اسی لئے وہ سارے ہندوستان کی جان قرار پا گئی تھی۔ کلکتہ مسلم لیگ کو تو
انہوں نے آل انڈیا مسلم لیگ کا مضبوط قلعہ بنا دیا تھا ہر گاؤں اور ہر محلہ مسلم لیگ کی
تنظیم سے منسلک تھا مقامی طور پر مسلم لیگ کی شاخیں قائم تھیں اس لئے جب
کلکتہ مسلم لیگ نے راست اقدام کا اعلان کیا تو لاکھوں آدمیوں کا مجمع کلکتہ میدان
میں جمع ہونے لگا جس پر ہندوؤں نے منظم سازش کے ذریعے حملہ کر دیا۔
جہاں مسلمانوں کو تہ تیغ بے دریغ کرنا شروع کیا جب وزیر اعلیٰ شہید

سہروردی کو یہ خبر پہنچی تو وہ کلکتہ کے اعلیٰ پولیس آفسروں کے کنٹرول روم میں پہنچ
گئے خود سارے کلکتہ کی انتظامیہ کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا پہلے روز اچانک
حملے کی وجہ سے کچھ مسلمان شہید ہو گئے لیکن دوسرے اور تیسرے روز ہندوؤں کا وار الٹا
ہو گیا جس کی وجہ سے ہندوستان کی سیاسی تاریخ کا رخ بدل گیا کلکتے کے نقصانات کو
لارڈ ویول نے بچشم خود دیکھا۔ انتہائی مضطرب اور ملول خاطر ہوئے لیکن
انہوں نے مسلم قوم کی جان بازی اور سرفروشی کو بھی پرکھ لیا مسلمانوں کے
راست اقدام کی حیثیت اور اہمیت کو سمجھ لیا اس کے بعد وہ عارضی حکومت میں
مسلم لیگ کو پانچ نشستیں دینے کے لئے بے قرار ہو گئے اسی مسلم لیگ کو جسے
چند ہفتے قبل ہندوستان کے وائسرائے نے ٹھکرا دیا تھا اور کانگریسی ہندوؤں کو اپنے
ساتھ لے کر اپنی کابینہ بنا ڈالی تھی عارضی حکومت میں مسلم لیگ کی شمولیت تنہا
کلکتہ مسلم لیگ کے عزم بلند کی مرہون منت ہے کلکتہ کے فسادات میں مسلم لیگیوں
نے جو شہادت پیش کی اور جس طرح جرات و ہمت کا مظاہرہ کیا اسی کے صدقے میں
آل انڈیا مسلم لیگ کے پانچ ممبران ہندوستان کی عارضی حکومت میں شامل ہو سکے
ان کے نام حسب ذیل ہیں:۔ (۱) مسٹر لیاقت علی خان (۲) راجہ غضنفر علی خان (۳) سردار
عبدالرب نشتر (۴) مسٹر ابراہیم چندریگر اور مسٹر منڈل۔

مسلم لیگ کی حکومت کا قیام

۱۹۴۶ء کے الیکشن میں آل انڈیا
مسلم لیگ کو شاندار کامیابی حاصل ہوئی
مرکزی اسمبلی میں سو فیصد (۱۰۰٪) اور صوبائی اسمبلیوں میں اسی فیصد (۸۰٪) سے
زیادہ ووٹ حاصل ہوئے مدراس اور بمبئی میں تو سو فیصد کامیابی ہوئی ۱۹۳۶ء
کے الیکشن کے بعد بنگال اسمبلی میں جو حکومت قائم ہوئی مسلم لیگ کے تعاون ہی سے
چل رہی تھی اے کے فضل الحق نے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر متحد کر دیا تھا اسی لئے
بنگال کی حکومت کو مسلم لیگ کی حکومت قرار دیا جاتا تھا پاکستان کے کسی صوبے میں

جو منظور کی گئی پاکستان تحریک اور دلی کنونشن کی تحریک کو بنگال ہی کی دو عظیم شخصیتوں نے پیش کیا دلی کنونشن کی تحریک میں راغب احسن ہی کا دماغ کار فرما تھا شہید سہروردی ہمیشہ اس بات کا اعتراف کرتے تھے کہ "میں راغب کا بندہ ہوں وہ جو حکم دیتے ہیں میں اسے بجالاتا ہوں"۔

پاکستان کے قیام میں کن لوگوں نے حصہ لیا وہ لوگ کون تھے جن کے زور قلم سے وہ وجود پذیر ہوا آنے والی نسلوں کو بہ نظر غائر اس کا مطالعہ کرنا چاہیئے دو (۲) پاکستان سے ایک پاکستان کس طرح بن گیا؟ اس تاریخی حقیقت کی چھان بین کرنی چاہیئے راغب کی فکر و نظر نے اور ان کے زور قلم نے پاکستان کو وجود بخشنے کے لئے کیا کارنامہ انجام دیا؟ جب تک گہری نظر سے ان واقعات کا مطالعہ نہیں کیا جائے گا اس وقت تک پاکستان کی صحیح تاریخ نہ مرتب ہو سکتی ہے نہ سمجھی جا سکتی ہے۔

پاکستان کا المیہ

پاکستان کی تاریخ کا عظیم المیہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے پاکستان بنایا اس کے لئے جان نچھاور کی ان کو دودھ کی مکھی کی طرح ایوان حکومت سے نکال کر پھینک دیا گیا۔ راغب کی جیسی عظیم شخصیت کا نام نامی بحیثیت وزیر مملکت علامہ شبیر احمد عثمانی نے مسٹر لیاقت علی خان کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے اسے مسترد کر دیا۔ پاکستان کے جان نثار کے ساتھ یہ کیسا ظالمانہ سلوک تھا پاکستان کی پہلی کابینہ میں غلام محمد اور سر ظفر اللہ خان کے جیسے لوگوں کو جگہ دے دی گئی جنہوں نے کرسی پر بیٹھتے ہی پاکستان کی جڑ کھودنا شروع کر دیا۔ غلام محمد، ایوب خان، جسٹس منیر اور ذوالفقار علی بھٹو کے جیسے لوگوں نے مل جل کر متحدہ پاکستان کی عمارت کو آخرکار ڈھا دیا جس کی تعمیر میں علامہ راغب احسن اور شہید سہروردی کا نمایاں ہاتھ تھا۔ راغب کے بدلے شہید سہروردی کے ساتھ مسٹر لیاقت علی خان

وحشیانہ برتاؤ کو بھی فراموش کر سکتی ہے؟ علامہ راغب احسن کو حکومت میں کوئی
جگہ نہیں دی گئی اور نہ ان سے حکومت کے نظم و نسق کے لئے صلاح مشورہ کیا
گیا۔ تاریخ کے اوراق میں حقائق پھیلے ہوئے ہیں کہ پاکستان کو تعمیر کرنے میں راغب
نے کیا کردار ادا کیا لیکن پاکستان بن جانے کے بعد حکومت کے دروازے ان پر بند
کر دیئے گئے۔ نتیجہ کیا ہوا؟ متحدہ پاکستان کی سربفلک عمارت مسمار ہوگئی۔ شہید
سہروردی کے ساتھ نازیبا سلوک کر کے اہل پاکستان نے اپنے لئے کس قدر مہیب
خطرات کے دروازے کھول دیئے کہ مشرقی پاکستان میں بغاوت کا بلند ہوا اور مغربی
پاکستان میں بھی فریاد و نالے۔ مشرقی پاکستان بنگلہ دیش بن کر برہمن ہندوستان کی کاسہ لیسی
میں مشغول ہے اور مغربی پاکستان امریکہ اور روس کے جوتے چاٹ رہا ہے۔

مسلمان قوم کی ذہنی پستی اور فکری انحطاط کی تاریخ کے مطالعہ سے انسان
ششدر رہ جاتا ہے۔ پیغمبر آخر زماں کے خاندان کے افراد کو چن چن کے شہید
کیا اس لئے کہ ان کا مقصد صرف نفاذ اسلام تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خلفائے راشدین
کے بعد آل رسول کے دشمنوں کے ہاتھ میں حکومت کی جب باگ ڈور آئی تو اس پر
قیصریت اور کسرویت غالب آگئی۔ اسی طرح پاکستان بن جانے کے بعد جن لوگوں
نے سچے دل اور خلوص نیت سے پاکستان کی تعمیر میں حصہ لیا تھا ان کو اپنے لوگوں
نے ہی حکومت سے نکال کر باہر کر دیا لہٰذا نفاذ اسلام پاکستان میں بھی ممکن نہ ہو سکا
اگر علامہ احسن کو پہلی کابینہ میں شامل کر لیا جاتا تو پاکستان میں نفاذ اسلام کب کا
ہو گیا ہوتا اور اگر شہید سہروردی کو پاکستان کا پہلا وزیر اعظم مقرر کیا جاتا تو پاکستان
بھی دولخت نہیں ہو سکتا تھا۔ علامہ راغب اور ان کے بھائی کی عظمت و مستقبل
کی تاریخ ہمیشہ دہراتی رہے گی اور آنے والی نسلیں ایسی انقلاب پرور
شخصیتوں کو خراج تحسین پیش کرتی رہیں گی۔

امام الہند کا تختہ الٹ دیا

تحریک خلافت کے زمانے میں ترک موالات کی بنیاد بھی ڈالی گئی تھی جو صرف انگریزی مال بلکہ انگریزوں کی عدالتوں، سکولوں اور کالجوں کا بھی بائیکاٹ کیا گیا تھا اس سلسلے میں ہندوستان کے مختلف صوبوں میں امارت شریعہ کی بنیاد رکھی گئی ہر صوبہ میں مسلمانوں کا ایک امیر شریعت منتخب کیا گیا۔ معاشی، معاشرتی اور مذہبی خصومات کے سلسلے میں صوبے کے مسلمان امیر شریعت کی طرف رجوع کریں انگریزی کی عدالتوں کی خاک نہ چھانیں امیر شریعت بہار کا انتخاب اسی دور کی یادگار ہے جہاں آج تک امارت شریعہ کا ادارہ قائم و دائم ہے انگریزی عدالتوں اور قوانین سے گریز کے رجحانات مسلمانوں میں باقی ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانان بہار میں انگریز سے اور انگریزی ثقافت و عدالت سے کتنی نفرت موجود تھی ہندوستان کے دوسرے صوبوں میں امارت شریعہ قائم تو ہوئی لیکن باقی نہ رہ سکی تحریک خلافت نے پنجاب میں بھی امارت شریعہ کے قیام کے لیے فضا ہموار کی مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری امیر شریعت پنجاب منتخب ہوئے۔ مولانا پٹنہ میں پیدا ہوئے جہاں ان کے والد نے ایک مقامی مسلمان گھرانے میں شادی کر لی تھی عطاء اللہ شاہ بخاری بہار ہی میں پلے بڑھے اس کے بعد پنجاب کا رخ کیا۔

امارت شریعت قیام کی تحریک نے ہندوستان میں مرکزی امارت شریعہ کا تصور بھی پیدا کیا اسی ضمن میں مولانا ابوالکلام آزاد کو امام الہند کہا جاتا تھا کلکتہ میدان میں ہر مہینہ ایک وہ ہند کے سب سے بڑے اجتماع کے عیدین کی دو نمازیں پڑھایا کرتے تھے برسوں تک وہ امام الہند کے عہدے پر فائز رہے خلافت کمیٹی کا مرکزی دفتر بھی کلکتہ میں تھا اسی لیے کلکتے کو مسلمانان ہندوستان کی سیاسیات کی مرکزیت حاصل تھی کلکتہ میدان کی امامت

نے ابوالکلام آزاد کو جو کیمبل پور پنجاب کے رہنے والے تھے امام الہند کے لقب سے ملقب کر دیا۔

ابوالکلام آزاد کی زبان اور ان کے طرز بیان کا ثانی ہندوستان میں موجود نہیں تھا اسی لئے مسلمانان ہندوستان پر ان کی گرفت روز بروز زیادہ سے زیادہ ہوتی چلی گئی خلافت تحریک میں ان کا طوطی بول رہا تھا ان کے زیر ادارت الہلال اور البلاغ نے مسلمانان ہندوستان کے دلوں کو مسخر کر لیا تھا لیکن جب ۱۹۳۶ء کا سال آیا اور مسلم لیگ کی نشاۃ ثانیہ ہوئی تو مسلمانان کلکتہ نے فیصلہ کیا کہ ابوالکلام آزاد کو امام الہند کے عہدے سے برطرف کر دیا جائے اس لئے کہ وہ نہ صرف مسلسل کانگریس کی صدارت کے فرائض انجام دے رہے تھے بلکہ گاندھی ازم کے پرچار میں بحیثیت مبلغ حصہ لے رہے تھے انہوں نے ودیا مندر اور وار دھا اسکیم کو نافذ کرنے میں سرگرمی سے حصہ لیا تھا کلکتہ میدان کی امامت سے ایسے سحر بیان خطیب و امام کو ہٹانا کوئی معمولی کام نہیں تھا۔

شائق عثمان و راغب نے فیصلہ کیا کہ امام الہند کو ان کے عہدے سے سبکدوش کر دیا جائے تاکہ مسلمانوں پر کانگریس کے براہ راست اثرات کا خاتمہ ہو جائے اور مسلمانوں کو گاندھی ازم کے زہریلے اثرات سے نجات مل جائے اس دور میں راغب کی تحریر و تقریر نے مسلم لیگ حلقوں میں جادو کا اثر پیدا کیا تھا۔ عید کی نماز میں ڈیڑھ لاکھ انسانوں کا مجمع ہوتا تھا جب مسلمانان کلکتہ نے بائیکاٹ کا فیصلہ کیا تو ابوالکلام آزاد کی امامت میں صرف دس ہزار مصلی نظر آئے اور ایک لاکھ چالیس ہزار آدمیوں نے ان کی امامت میں نماز پڑھنے سے انکار کر دیا ابوالکلام آزاد کی انانیت پر ضرب کاری لگی مسلمانان ہندوستان کے درمیان ان کی شخصیت کسی قابل نہ رہی۔

مولانا آزاد سبحانی

جب مسلمانان کلکتہ نے ابوالکلام آزاد کو کلکتہ کی امامت سے ہٹا دیا تو ان کی جگہ علامہ راغب نے آزاد سبحانی کو منتخب کیا جنہوں نے کئی برسوں تک مسلمانان کلکتہ کی عیدین کی نماز کی امامت کی یہ وہی آزاد سبحانی ہیں جو مچھلی بازار کانپور مسجد کی تحریک کی روح رواں تھے ۱۹۱۳ء میں جس مسجد کی دیوار کو انگریز حاکموں نے سڑک کی کشادگی کے سلسلے میں منہدم کرا دیا تھا مداخلت فی الدین کے خلاف ہندوستان میں غم و غصے کی پُرزور تحریک چلی انگریز حاکموں کو آخر کار مسلمانوں کے سامنے جھکنا پڑا۔ اس تحریک میں مولانا آزاد سبحانی پیش پیش تھے مولانا کی جرأت اور بہادری ہندوستان کی سیاسی تاریخ کا ایک عظیم الشان باب ہے جب ٹوٹی ہوئی دیوار کو از سر نو تعمیر کرنے کے لئے مسلمانوں کا ایک عظیم الشان جلوس روانہ ہوا تو انگریزوں نے اس پر گولیاں برسائیں سینکڑوں مسلمان شہید ہوگئے اور ہزاروں زخمی۔ لیکن آزاد سبحانی جیسا جری اور پُرجوش انسان اس دیوار پر کھڑا تھا جو منہدم کرا دی گئی تھی برطانوی حکومت نے آزاد سبحانی کے ساتھ بے شمار بچے بوڑھے اور نوجوانوں کو گرفتار کیا ان پر مقدمات چلائے جس کی پیروی مسٹر مظہر الحق بار ایٹ لا پٹنہ نے کی۔ سر علی امام بار ایٹ لا پٹنہ کی تحریز پر حکومت ہند نے مسلمانوں کے خلاف مقدمات واپس لے لیا ٹوٹی ہوئی دیوار کو از سر نو تعمیر کیا اس وقت سر علی امام حکومت ہند کے وزیر قانون تھے۔

جمعیت العلماء اسلام کا قیام

کس سے یہ حقیقت ڈھکی چھپی ہوئی ہے کہ ہندوستان کی تحریک آزادی کے دوران علماء کا گروہ کانگریس کے ہاتھوں بک چکا تھا۔ مولانا حسین احمد مدنی اور اقبال کے درمیان جو معرکہ آرائی ہوئی وہ یادگار زمانہ ہے جواہر لال اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ علمائے ہند کو چیک کاٹتے کاٹتے اس کی انگلیوں میں

ردد ہو جاتا تھا دیوبند اور بریلی کے بے شمار علماء ہندؤں کے ہاتھوں میں کھیل رہے تھے سرحدی گاندھی خود کو باپو (گاندھی) کا پیرو کہنے میں فخر محسوس کرتا تھا۔ گاندھی ازم کا وہ اس قدر شکار ہو چکا تھا کہ اپنے نام کے ساتھ گاندھی کے لفظ کے اضافہ کو اپنی عظمت کی دلیل سمجھ بیٹھا تھا۔ وہ بھی کانگریس کا نمک خوار تھا۔

ہندوستان کی خانقاہوں کی اکثریت، گدی نشینوں کی معتدبہ تعداد، علمائے ہندستان کی جماعت کثیر، قومیت کے پرستار مسلمانوں کا طبقہ سارے کا سارا کانگریس کی جھولی میں تھا یہی وجہ تھی کہ جواہر لال نہرو نے مسٹر جناح پر استہزا کرتے ہوئے اعلان کیا تھا کہ کانگریس کا ایک ادنیٰ رضاکار مسٹر جناح سے زیادہ عظیم ہے مسلم لیگ کی تحریک کے خلاف کانگریس نے عوامی رابطہ (MASS CONTACT) مہم شروع کر دیا تھا لیکن وہ ناکامیوں سے ہم کنار ہوئی عوامی رابطہ مہم کو مسٹر جناح نے مسلمانوں کا قتل عام کی مہم (MASS ACRE CONTACT) قرار دیا تھا ہندوستان کے مسلمانوں پر مذہب کے اثرات بے پناہ تھے۔ اس لئے علماء اور درویش صفت انسانوں کی گرفت سے عوام الناس کا چھٹکارہ حاصل کرنا بہت دشوار امر تھا۔

مسلم لیگ کی تحریک کی جب ابتداء ہوئی اسے بہت سی دشواریوں سے دو چار ہونا پڑا علامہ اعنب کے سامنے یہ حقیقت اظہر المنشمس تھی کہ جب تک علماء کے طبقے اور خانقاہوں کے گدی نشینوں کو مسلم لیگ کا ہم خیال نہیں بنایا جائے گا اس وقت تک مسلم لیگ کی تحریک کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتی تنہا اعنب مسلم لیگ تحریک کے نہ صرف پیش رو تھے بلکہ ان ہی کے دم خم سے مسلم لیگ میں از سر نو جان پڑ گئی تھی انہوں نے فیصلہ کیا کہ کانگریس کے شکار بریلوی اور دیوبندی حلقوں کا ندور توڑ دیا جائے اسی لیے جمعیت العلماء اسلام کی بنیاد رکھی۔ اس کی سربراہی مولانا آزاد سبحانی کی خدمت میں پیش کی لیکن انہوں

نے اسے درخورِ اعتنا نہیں سمجھا لہٰذا علامہ راغب نے مولانا شبیر احمد عثمانی کو
جمعیت العلمائے اسلام کا صدر منتخب کیا۔ علماء کی اسی جماعت نے کانگریس
کے طلسم کو پاش پاش کر دیا جمعیت العلمائے اسلام کی وجہ سے علماء کی ایک بڑی
تعداد مسلم لیگ کے حلقہ بگوش ہو گئی اس کی پالیسی اور پروگرام پر عمل کر کے
اسے کامیاب کیا جمعیت العلمائے اسلام کا قیام اس کی کارکردگی اور اس کی وجہ سے
مسلم لیگ کی کامیابی کا سہرا صرف راغب کے سر ہے جن کے ذہن و دماغ نے
مسلم ملت کی تعمیر میں حصہ لیا علامہ راغب کا یہ اتنا عظیم کارنامہ ہے جس کی
مثال ممکن نہیں۔ جمعیت العلماء اسلام کی وجہ سے آل انڈیا مسلم لیگ کو ۱۹۴۶ء
کے الیکشن میں بے مثال کامیابی ہوئی اور پاکستان قائم ہو گیا۔

حصول پاکستان کی پہلی تجویز

تحریک پاکستان پر جتنی کتابیں
آج تک لکھی گئی ہیں ان میں تاریخی
واقعات کی درایت مفقود ہے کسی اہل قلم اور مورخ نے سیاسی واقعات کے
تدریجی ارتقا کی طرف اشارہ نہیں کیا ہے۔ اسی لئے پاکستان کی تحریک کے خدوخال
صحیح طور پر نمایاں ہوتے نظر نہیں آتے ہیں۔ کچھ لوگوں نے اوروں پر سبقت لے جانے
کی کوشش کی ہے بعض لیڈروں نے خود کو نمایاں کرنے کے لئے تمام حقائق
کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ صاحب لن ترانی نے خوب خوب لن ترانی کی ہے مثلاً
ابوالکلام آزاد نے جو کتاب لکھی ہے اس میں سارا کریڈٹ اپنی شخصیت سے وابستہ
کر لیا ہے صاف صاف لکھ دیا ہے کہ کیبنٹ مشن پلان کا خاکہ میرے خیالات کا
چربہ تھا ابوالکلام آزاد پنجابی نژاد تھے اس لئے اپنی شخصیت کو دوسروں پر
مسلط کرنے کی سعی بلیغ کی چودھری خلیق الزماں نے بھی اپنی کتاب میں دعویٰ
کیا ہے کہ پاکستان کا نقشہ انہوں نے لارڈ زیٹلینڈ کو بتایا اور پاکستان کی تخلیق

ان کی فکر و نظر کی مرہون منت ہے اس قسم کے رہنماؤں نے مسلمانان ہند کی جدوجہد
آزادی کی تحریک پر پانی پھیرنے کی ہمت کی ہے۔

ہندوستان کے مسلمانوں کی جدوجہد آزادی کی تاریخ طویل ہے بے شمار
رہنمایان قوم پیدا ہوئے جنہوں نے مسلمانوں کے سیاسی تشخص کے لئے کام کیا ہر
دور میں مسلمانان ہند کے مطالبات مرتب ہوتے رہے اور آگے بڑھتے رہے ہندوستان
کے مغرب اور مشرقی گوشوں میں مسلمانان ہند کی اکثریت ہی ان کے سیاسی تشخص
کے قیام میں ممد و معاون ثابت ہوئی اسی اکثریت کو قائم رکھنے کے لئے تمام مسلمان
زعماء نے تگ و دو کی اور آخرکار کامیابی نے ان کے قدم چومے تاریخ کی اس صداقت
کو کس طرح نظر انداز کیا جا سکتا ہے کہ ہندوستان کے مشرقی اور مغربی گوشوں میں بدھوں
کی اکثریت قائم تھی جنہیں پانچویں صدی عیسوی میں ہندوؤں نے بہار کی سرزمین
سے نکال دیا تھا بدھوں نے ہندوستان کے مشرقی اور مغربی گوشوں میں پناہ لی
اپنی حکومتیں قائم کیں اور صدیوں تک حکمراں رہے جب برصغیر میں اسلام آیا تو
سب سے پہلے بدھوں نے اسلام کی آواز پر لبیک کہا اسی لئے ہندوستان کے
مشرقی اور مغربی گوشوں میں مسلمانوں کی اکثریت قائم ہو گئی وہاں پاکستان بن
گیا مسلمانان ہندوستان نے اپنے سیاسی اقتدار کے قیام کے لئے جنگ پلاسی، جنگ بکسر
جنگ سرنگاپٹم جنگ آزادی، جنگ امبیلا لڑی لیکن کامیابی نے ان کا ساتھ نہیں
دیا اس کے بعد تحریک آزادی کی جو جدوجہد شروع ہوئی انہیں انگریزوں سے جمہوری
نظام حاصل ہوا اس لئے انہوں نے ہندوستان میں ایک مسلم ہندوستان قائم
کرنے کی کوشش کی مسلم ہندوستان کا نقشہ موجود تھا۔ اسے ترتیب دینا تھا
مسلم رہنماؤں نے تقسیم ہندوستان کی کبھی کوشش نہیں کی البتہ انہوں نے مسلمانوں
کے سیاسی حقوق کی نگہداشت اور اس کے تحفظ کے لئے سعی بلیغ کی ہندوستان

کی تقسیم میں گاندھی، پٹیل اور جواہر لال کا ہاتھ کار فرما رہا مسلم اثرات سے ہندو سوسائٹی کو محفوظ رکھنے کے لئے ان ہی لوگوں نے ہندوستان تقسیم کردیا۔ ابوالکلام آزاد کی کتاب کا مطالعہ اس سلسلے میں ضروری ہے انہوں نے اس حقیقت کو فاش کردیا ہے۔

ہندوستان کی سیاسی تاریخ میں ۱۹۲۷ء اور ۱۹۲۸ء بے انتہا معروف اور فیصلہ کن ہیں ان دو برسوں میں مسلمانان ہندوستان کو انتشار اور افتراق سے دوچار ہونا پڑا لیکن ان کی زبوں حالی اور کسمپرسی نے سیاسی نقشہ گری میں کامیابی حاصل کرلی مسلمانان ہندوستان نے اسی دور میں اپنے سیاسی مطالبات کی آخری حد بندی کردی اور اس کی نشان دہی کرکے اہل عالم کو اپنی سیاسی بصیرت کا ثبوت بہم پہنچا دیا۔

۱۹۲۷ء میں نہرو رپورٹ سامنے آئی ۱۹۲۸ء میں سائمن کمیشن آیا نہرو رپورٹ اور سائمن کمیشن کی وجہ سے مسلمانان ہندوستان میں اختلافات پیدا ہوئے ان میں مختلف جماعتیں قائم ہوگئیں جو ایک دوسرے سے افکار و نظریات میں نہ صرف مختلف تھیں بلکہ برسر پیکار بھی۔ سائمن کمیشن کے باعث شفیع لیگ اور جناح لیگ وجود میں آئی۔ مسلمان رہنماؤں میں خلیج بڑھتی گئی۔ مسلم ہندوستان تقسیم ہوگیا پنجاب سارے ہندوستان سے کٹ گیا۔ مسلمانوں کے اسی خلیج کو پاٹ نے میں مسلم کانفرنس کا وجود عمل میں آیا۔ اس کانفرنس کے سکریٹری جنرل شفیع داؤدی ایڈوکیٹ مظفر پور مقرر ہوئے۔ انہوں نے اتحاد بین المسلمین کی بے انتہا کوشش کی اس سیاسی فضا میں یکم جنوری ۱۹۲۹ء کو آل پارٹیز مسلم کانفرنس کا ایک بہت بڑا جلسہ ہوا جس کی صدارت سر آغاخان

تحویل میں دے دے۔"

۱۹۴۰ء میں لاہور میں جو تجویز پیش ہوئی اس کے پہلے پیرہ گراف کو بہ نظر غائر پڑھیے۔

"قرار پایا کہ غور و خوض کے بعد آل انڈیا مسلم لیگ کے اس اجلاس کی یہ رائے ہے کہ کوئی آئینی منصوبہ بغیر اس کے اس ملک میں قابل عمل اور مسلمانوں کے لئے قابل قبول نہیں ہوگا جب تک مندرجہ ذیل اصولوں پر مبنی نہ ہو یعنی یہ کہ حد بندی کر کے اور ملکی اعتبار سے حسب ضرورت رد و بدل کر کے متصل واحدوں کو ایسے منطقے بنا دیا جائے کہ وہ علاقہ جس میں مسلمان بہ اعتبار تعداد اکثریت میں ہیں، جیسے ہندوستان کے شمالی و مغربی اور مشرقی منطقوں میں اس طرح ایک ہو جائیں کہ وہ ایسی خود مختار ریاستیں بنیں جن کے واحدے اندرونی طور پر با اختیار اور خود مختار ہوں۔"

۱۹۲۹ء کی تجویز مسلمانان ہندوستان کی سیاسی جد و جہد میں ایک اہم سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے اس لئے کہ اس تجویز میں مسلمانان ہندوستان نے اپنے سیاسی مطالبات کا تعین اور اس کے تحفظ کی نشان دہی کر دی تھی اس کو بنیاد بنا کر آنے والے دور میں لوگوں نے جد و جہد کی اور کامیابی حاصل کی اس تجویز کو مرتب کرنے میں مولانا شفیع داؤدی مظفرپور مولانا محمد علی جوہر اور سر محمد شفیع کا ہاتھ تھا چونکہ مسٹر جناح اس وقت تک ایک بہت بڑے قوم پرست لیڈر تھے اس لئے وہ آل انڈیا مسلم لیگ کے اس جلسے میں شریک نہیں ہوئے جو ۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ کی بنیاد رکھنے کے لئے منعقد کیا گیا تھا اور وہ ۱۹۲۹ء کی آل پارٹیز مسلم کانفرنس میں بھی شریک نہیں ہوئے اس لئے کہ وہ مسلم کانفرنس جیسی تحریک اور جداگانہ انتخاب کو

قابل اعتنا نہیں سمجھے تھے لیکن ۱۹۲۹ء میں آل پارٹیز مسلم کانفرنس کی تجویز اتنی وسیع اور عمیق تھی کہ کام کرنے والی نسل کو اسی راہ کو اپنانا پڑا۔ مسٹر جناح نے بھی اسی تجویز کو اپنے لئے معیار بلیت قرار دیا۔ اقبال، رحمت علی اور تمام دوسرے علمبرداران پاکستان تحریک اس موقف سے سرمو ہٹ نہیں سکے۔

مسلمانان ہندوستان مسلمانوں کی اکثریت کے علاقوں میں اپنی حکومت کے قیام پر مصر تھے جسے برطانوی جمہوری نظام نے پیدا کر دیا تھا مسلمان اسی لئے مسلم اکثریت کا صوبہ بنوا رہے تھے۔ مسلم بنگال و سندھ کا قیام اسی فکر کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ یہی ان کا آخری سیاسی مطالبہ تھا جس کی نشان دہی ۱۹۲۹ء کی تجویز میں موجود ہے۔ اس تجویز کی اہمیت کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جا سکتا ہے کہ ۱۹۳۰ء میں علامہ اقبال نے بھی جو تجویز پیش کی وہ اسی تجویز کا ایک حصہ تھا۔ وہ چودہ نکات جو مسٹر جناح کے چودہ نکات مشہور ہوئے وہ بھی اسی تجویز کی روشنی میں مرتب کئے گئے تھے۔ ۱۹۳۳ء میں رحمت علی نے جو کچھ لکھا وہ بھی اسی تجویز کی نقال تھی۔ ۱۹۳۸ء میں سندھ پراونشل مسلم لیگ نے جو تجویز پیش کی اس میں بھی ۱۹۲۹ء آل پارٹیز مسلم کانفرنس کی تجویز کی روح کارفرما تھی ۱۹۴۰ء میں لاہور ریزولیشن میں بھی وہی تقاضے موجود ہیں جن کی طرف ۱۹۲۹ء میں آل پارٹیز مسلم کانفرنس نے توجہ دلائی تھی اس لئے دعویٰ کرنا کہ پاکستان ریزولیشن کوئی نیا ریزولیشن تھا احمقانہ فعل ہے ۱۹۲۹ء کی تجویز برطانوی سامراج کا عطیہ قرار نہیں دیا جا سکتا ولی خان اور ان جیسے انسانوں کو مسلمانان ہندوستان کے مطالبہ سے صرف نظر نہیں کرنا چاہیے! جس طرح سر سید نے مسلمانان ہندوستان کی بیداری میں حصہ نہیں لیا جو کارہائے نمایاں جسٹس امیر علی نے انجام دیا پاکستان کے قیام

کی تحریک میں مسٹر جناح میں ایک ایسے رہنما کی طرح نظر آتے ہیں جن کی کامیابیوں کے لئے سرمایہ پہلے سے جمع کر دیا گیا تھا۔ وہ مرد حر جنہوں نے جد و جہد آزادی کو مرتب کرنے میں نمایاں حصّہ لیا اور مسلمانان ہندوستان کے سیاسی تحفظ کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دی اور جن کی زندگیاں ہندوستان کی سیاسی تاریخ کا درخشاں سرمایہ بن گئی ہیں ان کی سیرت کا مطالعہ ہر طالب علم کے لئے ضروری ہے جو سیاست سے دلچسپی رکھتا ہے ان کے نام نامی اسم گرامی حسب ذیل ہیں۔

(۱) مسٹر جسٹس امیر علی

(۲) سر آغا خان سوئم

(۳) سر علی امام

(۴) مولانا محمد علی جوہر

(۵) سر محمد اقبال

(۶) مولوی شفیع داؤدی

(۷) علامہ راغب احسن

(۸) حسین شہید سہروردی

(۹) مسٹر محمد علی جناح

علامہ راغب احسن ۱۹۲۹ء کے آل پارٹیز مسلم کانفرنس کے بھی ایک سرگرم رکن تھے۔ جداگانہ انتخاب کے لیے تن من دھن کی بازی لگائی تھی مسلم لیگ کی تحریک کے مختلف مراحل میں کامیابی راغب کی فکر و نظر کی بہت منت رہی راغب کی زندگی کو جس قدر کرید یئے ان کی حیات سے علم و عمل کے اتنے ہی شگوفے پھوٹتے ہوئے دکھائی دیں گے جن کا مقصد تعمیر ملت ہے

سوا کچھ نہیں تھا۔

جھارکھنڈ کی تحریک

جھارکھنڈ تحریک کے سلسلے میں علامہ راغب نے پٹنہ میں ایک عظیم الشان کانفرنس ۱۹۳۹ء میں جناب شہید سہروردی کی صدارت میں منعقد کی بحیثیت مندوب بہار مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن راقم الحروف نے بھی شرکت کی اور تقریر کی جس کی صاحب صدر نے داد دی تھی۔ میں اس واقعہ کا عینی شاہد ہوں کہ شہید سہروردی نے اپنی صدارتی تقریر قلم بند کرائی ٹائپ ہوکر جب وہ تقریر سامنے آئی تو سہروردی نے علامہ راغب کے ہاتھ میں دیدیا انہوں نے تقریر کے کتنے الفاظ و جملوں کو قلم زد کیا اور اس کی تصحیح کر دی اس کے بعد شہید سہروردی نے اپنی صدارتی تقریر مجمع عام پر پڑھی علامہ راغب کا رعب ادب آکسفورڈ کے ایم اے پر اس قدر تھا۔ جو ہندوستان کا ایک عظیم بیرسٹر بھی تھا۔

جھارکھنڈ

جھارکھنڈ کا علاقہ قدیم ہندوستان کا ایک معروف علاقہ ہے اسی علاقے میں ہندوستان کے قدیم باشندے کول بھیل اور سنتھال بستے ہیں ان کی اپنی زبان اپنا معاشرہ ہے۔ صوبہ بہار میں چھوٹا ناگپور کا علاقہ اور اس علاقہ سے متصل بنگال اور آسام میں بھی قدیم باشندوں کی آبادی پھیلی ہوئی ہے علامہ راغب نے ان قدیم باشندوں کو اپنے علاقے میں آزادی حاصل کرنے کی ترغیب دلائی انہیں وقت کی للکار سے جھنجھوڑا ہر حیثیت سے غلبے سے محفوظ رہنے کے لئے ان کو اپنے قدموں پر کھڑا کیا تاکہ ان اطراف میں ہندوستان کے قدیم باشندوں کی ایک آزاد حکومت قائم ہو جائے۔ اس تحریک سے پاکستان کے [illegible]

میں مسلسل قوت حاصل ہو رہی تھی۔ برصغیر پاک و ہند میں مختلف قوموں کی چھوٹی چھوٹی حکومتوں کی بنیاد رکھی جا سکتی تھی تاکہ ہندو مت اور رام راج کے ظلم انگیز اور خوف ناک تصور سے مختلف ہندوستانی قوموں کو محفوظ رکھا جا سکے۔

سیاسی فلسفی

(POLITICAL THINKER)

علامہ راغب احسن ایک عظیم فلسفی تھے انہیں یقین تھا کہ اگر مسلمانوں کی اکثریت کے علاقوں میں ان کی حکومتیں قائم ہو گئیں تو ہندوستان کی اونچی ذات کے ہندو مسلمانوں کی حکومتوں کو محفوظ نہیں رہنے دیں گی۔ اس لیے انہوں نے چاہا کہ ہندوستان میں جتنی مختلف قومیں آباد ہیں ان کی بھی آزاد مملکتیں قائم ہو جائیں تاکہ ہندو عصبیت کی تنگ نظری سے برصغیر کے سیاسی ارتقا کو محفوظ رکھا جا سکے اسی لیے جھارکھنڈ کی تحریک کی بنیاد رکھ کر علامہ نے برصغیر پاک و ہند کی غیر مسلم قوموں کو ابھارا تاکہ وہ بھی اپنے حدود میں جہاں ان کی غالب اکثریت موجود ہے آزاد حکومت کے قیام کی سعی بلیغ کریں۔ اسی تحریک کی وجہ سے جنوبی ہندوستان میں بھی مقامی باشندوں کی آزادی کی تحریک شروع ہوئی وہ شمالی ہندوستان کے ہندوؤں سے نہ صرف آزادی کے متمنی تھے بلکہ ان سے رستگاری حاصل کرنا بھی چاہتے تھے یہ جھارکھنڈ کی تحریک کے اثرات تھے جس نے سکھوں کو بھی سکھستان کی طرف مائل کیا علامہ کے اشاروں سے ہندوستان کی تمام مختلف قوموں میں سیاسی آزادی اور خود مختاری کا شعور بیدار ہوا جھارکھنڈ کی تحریک نے تمام چھوٹی چھوٹی قوموں کو برہمنیت کے چنگل سے آزاد ہونے کی طلب پیدا کر دی انہیں آزادی کی ایسی لہر دوڑا دی کہ ہندو دنیا حواس باختہ ہو گئی۔

علامہ راغب کی فکر صحیح سمت کی نشان دہی کر رہی تھی پاکستان جن

جانے کے بعد اس کو دو لخت کرتے ہیں ہندوستان کی بربریت کا ہاتھ نمایاں تھا
ہندوستان کی مقامی مختلف قوموں میں پیدا کی ہوئی سیاسی بیداری کی شمع جسے
راغب نے برقایا تھا ابھی تک روشن ہے ہندوستان کے قدیم باشندے اپنی بڑی بڑی
آبادیوں میں اپنی قومی حکومت کے قیام کے لئے کوشاں ہیں انہیں ایک نہ ایک دن
کامیابی ہوگی اور راغب کا خواب شرمندہ تعبیر ہوگا۔

مسٹر جناح ہندوستان کی تقسیم کے ذمہ دار نہیں ہیں

۱۷۵۷ء اور ۱۸۵۷ء کو مسلمان
ہندوستان کی تاریخ کا تاریک ترین
باب قرار دیا جا سکتا ہے جب ان کی ہزار سالہ حکومت تہہ و بالا ہو گئی پہلی ضرب
کاری سے حکومت کی بنیادیں ہل گئیں اور دوسری ضرب کاری سے ان کا تخت و
تاج چھن گیا جمہوریت کی بنیاد پر حکومت کے قیام کی کوششوں کے سلسلے
میں مسلمانوں نے محاذ آرائی کی تاکہ مسلم اکثریت کے علاقوں میں مسلمانوں
کی اپنی جمہوری حکومت قائم ہو جائے اور ہندوؤں کی غالب اکثریت کے سیاسی
دباؤ سے وہ علاقے محفوظ رہیں اسی لئے وہ ہندوستان میں ایک مسلم ہندوستان
کا خواب دیکھنے لگے جو ہزار سالہ مسلم حکومت کا نعم البدل ثابت ہو سکتا تھا
جسٹس امیر علی نے سب سے پہلے اس سیاسی انداز فکر کو مرتب کیا۔ پھر
آغا خان ان ہی خطوط پر رواں دواں ہوئے مسلم کانفرنس کی جدوجہد کی ابتدا
اور انتہا ان ہی علاقوں کو ہندو سامراجیت سے [illegible] جہاں
مسلمانوں کی اکثریت موجود تھی مولانا محمد علی جوہر خلافت [illegible]
وہاں ہندوؤں کو اس بات پر رضامند کرنے میں ناکام [illegible]
مرکزی حکومت میں تینتیس فیصد (۳۳٪) حصہ دیا [illegible]
مالویہ اور مسٹر گاندھی صرف تیس فیصد (۳۰٪) دینے کے [illegible]

کا تذکرہ سر آغا خان نے اپنی سرگزشت میں کیا ہے۔

مسلمانوں نے آخرکار ۱۹۲۹ء میں آل پارٹیز مسلم کانفرنس میں اپنے سیاسی مطالبہ کو پہلی دفعہ پیش کیا اس کے بعد ۱۹۴۰ء میں وہی تجویز دوسری مرتبہ منظور ہوئی مسلمانوں نے اپنے اکثریتی علاقوں میں جو شمال مشرقی اور شمال مغربی ہندوستان میں واقع ہیں آزاد مسلم مملکتیں قائم کرنے کا مطالبہ کیا۔ لاہور کی کانفرنس کے بعد مدراس کی کانفرنس (۱۹۴۱ء) میں لاہور کی تحریک کو آل انڈیا مسلم لیگ نے اپنا عقیدہ (CREED) قرار دیا ۱۹۴۶ء میں برطانوی حکومت نے کیبنٹ مشن پلان ہندوستان کے لیڈروں کے سامنے ہندوستان کے سیاسی حل کے لئے پیش کیا تو گاندھی نے سب سے پہلے اسے شرف قبولیت عطا کیا مسٹر جناح نے کچھ دنوں کے بعد اسے قبول کر لیا کیبنٹ مشن پلان میں ہندوستان کو متحد رکھا گیا تھا یہ پلان مسلم لیگ لاہور ریزولیشن کے قطعی خلاف تھا اور آل انڈیا مسلم لیگ کے عقیدہ کے منافی کیبنٹ مشن پلان قبول کرنے پر مسٹر جناح ہندوستان کے اخباروں کے ہدف تنقید بنے اخباروں نے لکھنا شروع کیا کہ "مسٹر جناح اپنی منزل سے دور چلے گئے۔ انہوں نے اپنے مقصد کو پس پشت ڈال دیا" مسٹر جناح کو رجعت پسندی کا شاہکار تصور کیا جانے لگا مسٹر جناح نے برصغیر پاک و ہند کے اتحاد کی خاطر آل انڈیا مسلم لیگ کے عقیدہ کو جو لاہور ریزولیشن کی شکل میں موجود تھا خیر آباد کہہ دیا اور یہ ثابت کر دیا کہ وہ ہندوستان کی تقسیم کے لئے تیار نہیں ہیں وہ ہر حال میں ہندوستان کا اتحاد قائم رکھنا چاہتے تھے لیکن گاندھی نے قلا بازی کھائی اور سارے کئے دھرے پر پانی پھیر دیا۔

کیبنٹ مشن پلان میں پاکستان کے علاقے اور بنگال اور آسام کے علاقے

شامل تھے آسام میں مسلمانوں کی اکثریت نہیں تھی لیکن بنگال سے مسلمان تیزی
سے ہجرت کر رہے تھے اور آسام میں آباد ہو رہے تھے سر سعد اللہ وزیر اعلیٰ
آسام سے جب راقم الحروف کی ۱۹۴۶ء میں ملاقات ہوئی تو انہوں نے
پیشین گوئی کی کہ صوبہ آسام میں دس برس کے درمیان مسلمانوں کی اکثریت
قائم ہو جائے گی اگر بنگال سے مسلمانوں کی ہجرت کا زور و شور اسی طرح قائم
رہا۔ گاندھی اس حقیقت سے باخبر تھا وہ نہیں چاہتا تھا کہ آسام کا صوبہ
مسلمانوں کی اکثریت کا صوبہ بن جائے اور بنگال کی بڑھتی ہوئی آبادی کے
حل کی گنجائش نکل آئے اس لئے کیبنٹ مشن پلان قبول کرنے کے بعد اس
کو رد کرنے کا جواز ڈھونڈنے لگا حالانکہ جواہر لال نہرو نے کانگریس ورکنگ کمیٹی
کے اجلاس میں یہ کہنے کی جرأت کی کہ جب ہم لوگوں نے کیبنٹ مشن پلان کو قبول
کر لیا ہے تو اسے مسترد نہیں کیا جانا چاہئے لیکن گاندھی جی فسادی جھڑپوں سے
کب باز آنے والے تھے انہوں نے کانگریس ورکنگ کمیٹی کے ممبروں کو دھمکی دی کہ
کیبنٹ مشن پلان کو کس طرح مسترد کر دینا چاہئے۔ انہوں نے آسام کے وزیر اعلیٰ
مسٹر بردولوئی کو بلا کر کہا کہ وہ علیحدگی کا اعلان کرے اگر ورکنگ کمیٹی کیبنٹ مشن
پلان قبول کر لیتی ہے تو تم کانگریس سے بغاوت کر جاؤ۔ باردولوئی کو جو دستاویز دی
کرنے کی تمام کوششیں گاندھی نے انجام دیں باردولوئی کی بغاوت کی خبر
جب مشتہر ہوئی تو کانگریس ورکنگ کمیٹی کے افراد پریشان ہوئے اور آخر
کار گاندھی کی نامناسب غیر منطقی اور غیر قانونی رائے کو تسلیم کرنے پر مجبور
ہو گئے۔

آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے جس کیبنٹ مشن پلان کو چند مہینے پہلے
قبول کیا اس کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان تھی اس کو چند مہینوں

ہر قدم پر ان کے لئے ممد و معاون بن جاتی تھی علامہ کی پاک بازی کا ایک
عجیب و غریب کرشمہ سنئے۔

"پاکستان بن جانے کے بعد مولانا اپنے فلیٹ زکریا اسٹریٹ کلکتہ میں مقیم
تھے حکومت نے ان کی گرفتاری کا پروانہ صادر کیا مولانا راغب حسن کو تحریک کا
بچہ بچہ جانتا پہچانتا تھا۔ برصغیر پاک و ہند کے وہ ایک معروف سیاسی کارکن
تسلیم کئے جاتے تھے پولیس گرفتاری کا پروانہ لے مولانا کے محلے میں پہنچی سارے
محلے کو پولیس نے گھیرے میں لے لیا مولانا فلیٹ کے اوپر کی منزل میں مقیم تھے پولیس
ان کی بلڈنگ کی ہر سیڑھی پر کھڑی ہو گئی اور پولیس کے بڑے بڑے آفسران جو مولانا
سے اچھی طرح واقف تھے مولانا کے فلیٹ کی طرف چل پڑے مولانا کو اپنی
گرفتاری کا علم ہو چکا تھا انہوں نے زاد راہ ساتھ لیا اور اپنے فلیٹ سے نکل
پڑے اور تمام پولیس آفسران اور سپاہیوں کے درمیان سے درود کا ورد کرتے
ہوئے ہوائی اڈہ پہنچ گئے راغب احسن کے نام سے ٹکٹ لیا اور ڈھاکہ پرواز کر
گئے علامہ راغب سب کو دیکھ رہے تھے پولیس آفسران اور پولیس والوں کی
نظریں انہیں نہیں دیکھ رہی تھیں مرد قلندر اس شان استغنا کے ساتھ پولیس کے
حلقے سے نکلا چلا جا رہا تھا اور اللہ کی رحمت سایہ فگن اس کے ساتھ چل رہی تھی
پولیس والے ان کو گرفتار کرنے سے معذور تھے وہ اندھے ہو چکے تھے۔

کافر ہے تو تیغ پر کرتا ہے بھروسہ
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

مجیب الرحمن شہید سہروردی کا ایک ادنیٰ رضا کار تھا اس کی سیاست
سے علامہ راغب دل برداشتہ تھے شہید سہروردی کی وفات کے بعد مجیب
الرحمن نے جو گل کھلایا اس کے متعلق علامہ نے پیش گوئی کی کہ مجیب الرحمن

نے بنگال کی سیاسی تاریخ کا مطالعہ نہیں کیا ہے اس نے مسلمان بنگالیوں کے ذہن کو نہیں سمجھا ہے اس کو خود اس کے چاہنے والے ذبح کر دیں گے مولانا کی پیشن گوئی حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوئی مجیب الرحمٰن علامہ کی وفات کے بعد بنگالیوں کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

مردِ مومن کی رحلت

آخری دور میں مولانا بنگال کی سیاست سے بے حد آزردہ خاطر تھے اسی لئے کراچی تشریف لے آئے۔ مولانا اپنی عمر کی آخری منزلوں میں زہد و تقویٰ میں ڈوبے ہوئے تھے جمعہ کے دن نماز جمعہ کے لئے مسجد پہنچے اور بارگاہ خداوندی میں بے ہوش ہو کر گر پڑے مسجد کی زمین ان کے خون سے رنگین ہوئی اس طرح پاکستان کی تاریخ کا درخشاں باب، مسلمانان برصغیر پاک و ہند کی سیاسیات کا ایک سعیٔ مسلسل، جدوجہد آزادی کا ایک مینار ہدایت جرأت و ہمت کی ایک منہ بولتی تصویر خوف خدا کا ایک پیکر عظیم نے آنکھیں بند کر لیں ۱۸ر نومبر ۱۹۷۵ء کو پاکستان کا لاثانی علمی سیاسی فلسفی شہادت کی لذتوں سے ہمکنار ہوا اور اپنے خالق حقیقی سے جا ملا۔

پاسبان پاکستان

آل انڈیا مسلم لیگ کی نشاۃ ثانیہ کی تحریک ۱۹۲۵ء تا ۱۹۴۷ء
تک جاری رہی جس کے طفیل مشرقی اور مغربی پاکستان کا وجود عمل میں آیا
اس پوری تحریک پر برصغیر پاک و ہند کی صرف دو شخصیتیں غالب نظر آتی
ہیں ہندوستان کی سیاسی تحریک کا ہر ورق گواہی دے رہا ہے برصغیر پاک و
ہند کے در و دیوار پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ مسلم لیگ کی نشاۃ ثانیہ کی
تحریک کی ابتدا اور انتہا علامہ راغب احسن کی کاوشوں کی ممنون و مشکور ہے
علامہ کی فکر و نظر اور تحریر و تقریر نے تحریک کی کامیابی کے لئے شاہراہیں
مرتب کیں اور ان پر عمل جد و جہد کی صورت گری کے فرائض ان کے سپہ سالار
حسین شہید سہروردی نے انجام دیا اگر ان دو عظیم اور بے مثال شخصیتوں
کے کارناموں کو نظر انداز کر دیا جائے گا تو پاکستان کا وجود ناممکن ہو جائے گا۔
اور مسلمانان ہند کی سیاسی تحریک کی کامیابی ایک بے معنی حقیقت بن جائیگی۔

مسلم ہندوستان کی تاریخ میں جس کا تعلق آل انڈیا مسلم لیگ کی نشاۃ
ثانیہ کے دور سے ہے ان میں یہی دو شخصیتیں ایسی نظر آتی ہیں جن کی فکری
اور عملی کاوشوں نے مسلمانان برصغیر کے شعور کو بیدار کیا اور کامیابی حاصل
کی ان دونوں کی دوربینی اور فراست کا جواب نظر نہیں آتا آج پاکستان کے
وجود کا قیام اور استحکام چین کی دوستی پر قائم ہے لیکن چین کو پاکستان کے قریب
لانے میں ان ہی دو شخصیتوں کا ہاتھ تھا پاکستان بن جانے کے بعد پاکستان کی
خارجہ پالیسی امریکہ اور برطانیہ کے گرد گردش کرتی رہی لیکن جب شہید سہروردی
برسر اقتدار آئے تو انہوں نے سب سے پہلے چین کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا

راغب اور شہید سہروردی نے نہ صرف پاکستان کے قیام میں کارِ نمایاں
انجام دیا بلکہ پاکستان بن جانے کے بعد انہوں نے چین کی جیسی مملکت سے ایسی
وابستگی پیدا کر دی کہ وہ آج پاکستان کا پاسبان نظر آرہا ہے۔ انہوں نے پاکستان
کو نہ صرف وجود بخش دیا بلکہ اس کے لئے ایک پاسبان بھی مقرر کر دیا۔

راغب ہشت پہل شخصیت تھی ان کی زندگی کا ہر پہلو ریسرچ کا متقاضی
ہے نیشنل میوزیم لاہور میں مسٹر جناح کے تین سو خطوط موجود ہیں جو راغب
کے نام تحریر کئے گئے ان کا جواب بھی ہے آنے والی نسل کو ریسرچ کرنا چاہیے
کہ کس کس عنوان سے مسٹر جناح نے راغب کو خط لکھا ان کے خطوط کی روشنی
میں پتہ چلایا جا سکتا ہے کہ مسلم لیگ کی پالیسی اور پروگرام پر راغب کے
خیالات کس طرح فیصلہ کن ثابت ہوتے مسٹر جناح نے کس جگہ راغب کی رائے سے
اتفاق کیا اور کہاں اختلاف کیا علامہ راغب کے شائع شدہ مضامین موجود
ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ علامہ نے پاکستان کی تعلیم کے سلسلے میں بھی اشارے کئے
ہیں امور خارجہ کی طرف بھی رہبری فرمائی ہے۔ ملکی آئین کی طرف بھی رہنمائی
کی ہے ان کے کتابچوں کو پھر سے شائع کرنا چاہیئے علامہ کے بے شمار کتابچے
ہیں جن میں فکر و نظر کی دنیا موجزن ہے انہیں اشاعت پذیر ہونا چاہیئے پہلے
خونریز فسادات پر بھی بے مثال کتابچہ شائع کیا تھا۔ مولانا کی سوانح حیات
حکومت پاکستان کو مرتب کروانا چاہیئے۔ مسٹر جناح کے کارناموں پر اس وقت
تک روشنی نہیں پڑ سکتی ہے جب تک علامہ راغب احسن کے کارناموں کو اجاگر
نہیں کیا جائے گا علامہ راغب کی زندگی کے شاہکاروں کی تصویروں کے بغیر
پاکستان کی تصویر کشی ناممکن ہے۔ اہل پاکستان اس حقیقت کو جس قدر جلد سمجھ لیں
گے اسی قدر جلد پاکستان کی صحیح تاریخ مرتب ہو جائے گی ورنہ آنے والی نسل

پاکستان اور مسلمانانِ ہندوستان کی جدوجہد آزادی کی تاریخ کا بھرپور مطالعہ کبھی نہیں کر سکے گی۔ علامہ راغب تقریر کے میدان میں خاموش سمندر کے مانند تھے لیکن تحریر کے گلزار میں ایک طوفان۔ انہوں نے ایسے انقلاب کی بنیاد رکھی جس نے برصغیر پاک و ہند کی قسمت کا فیصلہ کر دیا آنے والا دور ان کے افکار و نظریات کو اپنے کاندھوں پہ لئے نتائج کے انتظار میں بے قرار ہے۔

علامہ راغب احسن مرحوم و مغفور ممبر آئین ساز اسمبلی ۱۹۴۶ء کی شخصیت پر عقیدت کے چند پھول جن نچھاور کر رہا ہوں گوش حق نیوش سے ملاحظہ کیجئے۔

سرزمین پاک کیا وہ اک خواب کی تعبیر ہے
یا مسلمانوں کے ذوق و شوق کی تصویر ہے

یا مسلسل جہد و صد سالہ کی تعمیر ہے
یا سیاسی کشمکش کی یہ کوئی تنویر ہے

چھن گیا تھا جو ہستی میں سیاسی اقتدار
کر لیا حاصل مسلمان نے یہ وہ تدبیر ہے

قائد اعظم سے پہلے جس نے مسلم لیگ کو
کر دیا زندہ مرے راغب کی وہ تقریر ہے

حاکم کو وہ ذہن فکر و نظر کا پاسبان
کہ لرزاں جس سے تھا وہ حاصل تحریر ہے

علم راغب سے اقبال اور قائد نے لئے
اتحاد اسلامی کی وہ تصویر ہے

اس قلندر کی تگ و دو سے حکومت بن گئی

سرزمیں پاک اس کے عزم کی تعبیر ہے